اسلام کی عالمگیریت

اسلام کی عالمگیریت

تعارف

فصل اول   عالمگیریت اور مساوات

-1-عیسائیت اورمساوات

-2-یہودیوں کا دوسری اقوام کے بارے میں نظریہ

-3-ہندوستان میں معاشرتی مذہبی نظام

-4-کیپیٹل ازم

-5-اسلام اور عالمی مساوات

فصل دوم   عالمگیریت اور رواداری

-1-صلیبیوں کا فلسطین میں رویہ

-2-فلسطین میں یہودی اور عیسائی، مسلمان دور حکومت میں

-3- سپین میں اسلام

-4- کلونائزیشن کے دور میں عیسائیت

-5- یورپ میں اسلام

-6- برصغیر میں اسلام

-7- اسلام میں رواداری

-8- اختتامی تبصرہ

<u>فصل ثالث   عالمگیریت اور سائنس کا فروغ</u>

-1- بدھ ازم، ھندو ازم اور سائنس

-2- اسلام اور سائنس

-3- مسلمانوں کے علوم کا یورپ پر اثر

-4- جدید سائنس کی سطحیت

-5-اسلام سائنس اور ترقی کا حامی کیوں ہے؟

<u>فصل چہارم عالمگیریت اور انسانیت کو درپیش مسائل کا حل</u>

-1-شراب نوشی اور منشیات کی لت

اسلامی حل

-۲-جرم

اسلامی حل

-3-بچوں اور عورتوں کے ساتھ زیادتی

-4-زنا بلجبر اور جنسی طور پر حراساں کرنا

اسلامی حل

خلاصہ

تعارف

اس صدی میں جہاں ذرائع آمد و رفت و ترسیل نے امید سے کہیں بڑھ کر ترقی پائی ہے وہاں بین التہذیب آگاہی بھی عام شے ہوگئی ہے ۔اور کمیونزم کی نقاہت اور سویت یونین اور دیگر کمیونسٹ ریاستوں کے زوال کے بعد بہت سی تجاویز پیش کی گئیں جو اس بات پر زور دیتی ہیں کہ عالمی قوانین، اقدار اور اخلاقیا ت کو اپنایا جائے تاکہ دنیا بھر کی اقوام کے درمیان تعلق استوار کیا جائے ۔

حال ہی میں اقوام متحدہ کی وساطت سے نام نہاد نیو ورلڈ آرڈر کا تصور پیش کیا گیا تاکہ اخلاقیات و اقدار مقرر کی جاسکیں اور مختلف تہذیب و تمدن میں بسنے والے لوگوں پر قوانین لاگو کیے جاسکیں۔ ایک سوا ل جو یہاں فورا اٹھے گا وہ یہ کہ کس کی اقدار،قوانین اور طریقہ ہائے زندگی وہ اپنانے جارہے ہیں؟ بلاتردد وہ صرف امریکی طرز زندگی کا تصور ہی ہوسکتا ہے جو پیش کیا جائے گا۔کیونکہ امریکہ ہی اس وقت اقوام عالم میں واحد سپر پاور ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اقوام متحدہ کا سب سے مضبوط معاشی سہارا بھی ہے ۔ چارلز کراتھامر ، ایک باثر امریکی کالم نگار نے The Foreign Affairs میں لکھا ہے کہ'یک قطبی کا وقت آپہنچا تھا اور اب پر اعتماد امریکہ کو اس نئے کردار کو سمجھ لینا چاہئے کہ کیسے جارحانہ طور پر اپنا نکتہ ہائے نظر مسلط کیا جائے ۔'

قدرتی دولت سے مالامال اور بھرپور عسکری قوت کے باوجود ، ایسا کیوں ہے کہ امریکی اقدار و اخلاقیات نے خوشحالی اور ذہنی سکون ان لاکھوں امریکیوں کو مہیا نہیں کیا جو اپنی زندگیوں کو شراب نوشی، تشدت، نشہ اور دیگر خاندانی و معاشرتی بے راہ روی سے تباہ کر چکے ہیں ؟

ایسا طرز زندگی جو سیاہ فام اور دیگر اقلیتوں سے امتیازی سلوک روا رکھنے کو ختم نہ کر پایا ہو کیا وہ ہندوستان کے ذات پات کے نظام کو عدل و انصاف سے بدلے گا؟ امریکی طرز زندگی جو بے گھر افراد کے مسئلہ کو حل کرنے میں بری طرح ناکاہوا ہے، وہ جنوبی امریکہ اور افریقہ میں غربت کا خاتمہ کرسکے گی؟ یہ سب سوالات وی۔ ایس نیپالس کے دعوی کہ-مغربی تہذیب ہی وہ تہذیب ہے جو سب انسانیت کے لیے موافق ہے- کے مقابلے میں اٹھائے جانے چائیے ۔تاہم U.S. News & World Report ، کے مدیر ڈیوڈ گرجن نے نیپالس سے یہ کہتے ہوئے اختلاف کیا ہے کہ:

باقی دنیا تو ایک طرف امریکہ اپنی ہی گلیوں اور مراکز میں اصول و ضوابط قائم کرنے میں ناکام رہا ہے۔

کچھ ذرائع یہ بھی کہ سکتے ہیں ہیں کہ نیو ورلڈ آرڈر صرف امریکہ کا ہی نہیں بلکہ برطانیہ ، فرانس ، روس یا چین کا بھی ہوسکتا ہے ۔ یہ ممالک اقوام متحدہ کی سکیورٹی کونسل کے دائمی رکن بھی ہیں ۔ اس کے باوجود یہ حکومتیں نہ تو اپنی قوم کو خوشحالی دے سکیں اور نہ ہی حفاظت۔ ملک تو کیا کوئی سمجھدار شخص بھی ان ممالک کے طرز زندگی کو نہیں اپنا سکتا جو ان کے ذاتی مفادا ت ہی سے ٹکراتا ہے ۔ یہ بات تو واضح ہے کہ کوئی بھی طرز زندگی جو اس نیو ورلڈ آرڈر کی بنیاد کے طور پر اپنائی جائے گی وہ صرف اپنی ہی قوم کے مفادات کی ضامن بھی ہوگی اور محافظ بھی۔

گرگن(۱۹۹۳) کا ذیل میں نقل کردہ قول اس بات کی شہادت ہے کہ آج کے ورلڈ آرڈر میں نہایت نزاکت سے اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ غالب ممالک کے ذاتی مفادات کو برقرار رکھا جائے۔

امریکی عوام نے شکاگو کونسل کی رائے شماری کنندگان کو خارجہ تعلقات کے بارے میں ترجیحات واضح کی ہیں کہ امریکی خارجہ پالیسی میں سب سے پہلے جس بات کا خیال رکھا جائے گا وہ یہ ہےکہ پیشہ ور امریکیوں کی ملازمتوں کی حفاظت کی جائے دوسرا یہ کہ بیرون ملک کام کرنے والے امریکیوں کے مفادات کا تحفظ کیا جائےتیسرا توانائی کے وافر ذرائع کو یقینی بنایا جائے ۔ اتحادیوں کا دفاع کیا جائے ، جوھری ہتھیاروں کے پھیلاؤ کو روکا جائے اور بڑھتے ہوئے انسانی حقوق کو کم اہمیت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ پندرہ ترجیحات کی فہرست میں دنیا کے دیگر ممالک میں جمہوریت کو پھیلانے میں مدد کرنا پندرھویں نمبر پر تھا۔

اس وجہ سے ان کا دیگر قوموں کی طرف ناروا رویہ ہونا ہی ہے۔ ھانٹنگٹن (۱۹۹۳)ان الفاظ میں ان معیارات کی طرف اشارہ کرتا ہے جو مغربی اقوام اپنے مفاد میں دوسری قوموں پر مسلط کرتی ہیں ۔

مغرب عملی طور پر بین الاقوامی اداروں ایسے استعمال کر رہا ہے کہ عسکری قوت اور معاشی ذارئع دنیا کو یوں چلا رہے ہیں کہ جس سے مغربی تسلط برقرار رہے ، مغربی مفادات محفوظ رہیں اور مغربی سیاسی و معاشی اقدار کو فروغ ملے ۔

اس طرح نیوورلڈ آرڈر کو نظام زندگی کے طور پر قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تعلیمات و قواعد کی مکمل اطاعت و فرمانبرداری کی جائے۔ قدرتی طور پر اس کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہو گا کہ" زندگی کا نظریہ مادی اور سیکیولر ہو " ۔ پس خودساختہ اس نظام زندگی کو رضا و منشا کے ساتھ قبول کرنا ہر شخص کے لیے ممکن نہ ہوگا۔ اپنی ہی دنیا کے انسان سے اپنی طرز زندگی چھوڑ کر اس کی طرز زندگی مستعار لینا نہ تو موزوں ہو گا اور نہ

ہی معقول ، کیونکہ انسان نہ تو مکمل ہے اور نہ ہی غلطیوں سے پاک۔

اس طرح کے کسی بھی ورلڈ آرڈر کا لاگو کیا جانا یا قبول کیا جانا نہایت بعید اور نامناسب عمل ہےٹھیک اسی طرح جس طرح اولڈ ورلڈ آرڈر جیسے نوآبادکاری، اشتراکیت ، تاریک دور کے نظریات اور جدید سرمایہ دارانہ نظام ہیں۔

بلاشبہ اس وقت دنیا کی زیادہ تر آبادی ایک ایسے طرز زندگی کی تلاش میں ہے جو ان کے مسائل کو حل کرے اور ان کے ان سوالات کا جواب دیں جن کا ان کے پاس جواب نہیں ۔ ان سوالات کا جو ان کے وجود اور مقصد وجود سے متعلقہ ہیں۔ شدید تیزی کے ساتھ بڑھتی ہوئی اقدار کی گراوٹ اور تشدد نے لوگوں کو ان پریشانیوں سے راہ فرار کی تلاش میں اور بے چین کر دیا ہے۔بعض لوگوں نےخود کشی کو سب سے آسان اور فوری حل کے طور پر پایا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ ہماری دنیا اس وقت افراتفری کے عالم میں ہے۔اس نے کئی نظریات کو اور بہت سی سیاسی ، معاشرتی اور معاشی نظاموں کے اطلاق کا تجربہ برداشت کیا ہے مگر کوئی بھی بہت بہتر ثابت نہیں ہوا۔ یا یوں کہیں کہ--- جو نظریات ناکام ہوئے انہیں آزمایا گیا ---اور جو آزمائے گئے وہ ناکام ہوئے---اور جو ناکام ہوئے انہیں بار بار آزمایا گیا--- اب کوئی یہ بھی پوچھ سکتا ہے کہ کیا کوئی اور راستہ نہیں ہے ؟کیا کوئی اور متبادل ایسا راستہ نہیں ہے جو عالم کی رہنمائی کرے ؟ ان دو سوالات ہی کہ جواب میں یہ تحقیق پیش کی جارہی ہے---

فصل اول

عالمگیریت اور مساوات

لوگوں کے رنگ، نسل، تمدن، تہذیب اور معاشی و معاشرتی حالات سے متعقلہ یکسانیت کے اصول آج کی غالب تہذیبوں کے نظریات سے غائب ہیں۔ہندوستانی معاشرے نے صدیوں سے جاری شدہ ذات پات کے سخت نظام کو برداشت کیا ہے، جہاں بعض لوگوں کو تو خدا و دیوتا کے طور پر دیکھا جاتا ہے اور دوسری طرف بعض کو بمشکل ہی کسی غلام کے سے حقوق میسر آتے ہیں ۔

عیسائیت کو قدر کم ہی کبھی زندگی گزارنے کے اصول کے طور پر لاگو کیا ہو مگر اس کی موجودہ تعلیمات میں بھی امتیازیت کا عنصر پایا جاتا ہے۔ تالمود (موجودہ یہودیت کی اساس) کے مطابق یہودیوں کو دیگر تمام غیر اقوام پر فوقیت و فضیلت حاصل ہے۔

اس گفتگو کو کمیونسٹ کے برابری کے نعرے - سب افراد یکساں ہیں- کو زیر بحث لاکر مزید آگے بڑھایا جاسکتا ہے ، جو کہ حقیتا کبھی عمل میں نہیں لایا گیا۔ درحقیقت اس کا اصل مطلب تو یہ ہے کہ بعض لوگ بعض سے زیادہ یکساں ہیں۔ کیپیٹل ازم، جیسے بہت سے مغربی میں معاشروں میں لاگو ہے، نظریاتی طور پر قطعا موزوں نہیں کہ مساوات کا اطلاق کر پائے۔بلکہ یہ تو امیر اور غریب کے درمیان امتیازی لکیر کو بڑھاوا دیتا ہے۔شولزم ، جو بظاہر تو کمیونزم اور کیپیٹل ازم کے اغلاط کی درستگی کرتا ہے مگر بڑے واضح انداز میں کمیونزم اور کیپیٹل ازم کے خلا کو برقرار رکھتے ہوئے پایا جاتا ہے۔ اور ابھی تک اپنے آپ کو بہتر متبادل ثابت نہیں کرسکا۔

موجودہ زمانے میں زندہ جتنے بھی نظریاتی نظام ہیں ان میں صرف اور صرف اسلام ہی وہ واحدانتخاب ہے جو قابل اطمینان ہے کیونکہ یہ انسانیت کے حقوق کا محافظ ہے اور تمام انسانوں کو خدا کے کنبے کے طور پر پیش کرتا ہے، جہاں وہ سب تمام اختلافات کے باوجود امن اور سکون سے رہتے ہیں۔ تاریخی اور معاصر شواہد اسلام کی مساوات میں ایسی دلیل قطعی ہیں کہ کسی بحث کی گنجائش نہیں رہنے دیتے ۔

۱۔عیسائیت اورمساوات:

میں اس باب میں عیسائیت کی تعلیمات کا جائزہ لوں گا تاکہ اس بات کا تعین کیا جاسکے کہ کیا ایسے نظریات دنیا کےتمام لوگوں کے لیے ،تفرقات کے باوجود، قابل اطمینان ہیں؟ آسانی کے لیے
عیسائیت کی کتاب بائبل کا حوالہ دیا جائے گا اور دیکھا جائے گا کہ ان کا پیغام محدود عوام ، محدود وقت اور محدود خطہ کے لیے تھا ۔ چناچہ اس میں عالمگیریت کی کشش موجود ہی نہیں۔

متی کے مطابق عیسیٰ المسیح علیہ السلام کو جو پیغام ملا تھا وہ صرف ایک قوم کے لیے محدود تھا۔عیسیٰ المسیح علیہ السلام کی جانب سے اپنے شاگردوں کو واضح طور پر ہدایات تھیں کی وہ یہ پیغام بنی اسرائیل کے قبائل سے باہر نہ لے کر جائیں۔

"غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔

بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔"[۱]

(متی باب ۱۰ فقرہ ٦،۵)

[1] "کتاب مقدس،پاکستان بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور، پاکستان" سے اقتباسات لیے گئے ہیں۔

اس نکتہ کی وضاحت عیسیٰ المسیح علیہ السلام سے منسوب ایک اور واقعہ سے بھی ہوتی ہے۔

"پھر یسوع وہاں سے نکل کر صور اور صیدا کے علاقہ کو روانہ ہوا۔

اور دیکھو ایک کنعانی عورت ان سرحدوں سے نکلی اور پکار کر کہنے لگی

اے خداوند ابن داؤد مجھ پر رحم کر۔ ایک بدروح میری بیٹی کو بہت ستاتی ہے۔

مگر اس نے اسے کچھ جواب نہ دیا اور اس کے شاگردوں نے پاس آکر

اس سے عرض کی کہ اسے رخصت کردے کیونکہ وہ ہمارے پیچھے چلاتی ہے۔

اس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا

اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ مگر اس نے آکر اسے سجدہ کیا

اور کہا اے خداوند میری مدد کر۔ اس نے جواب میں کہا لڑکوں کی

روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں۔"

(متی باب ۱۵ فقرہ ۲۱-۲۶)

ان اقتباسات کے مطابق عیسیٰ المسیح علیہ السلام نے واضح کیا ہے کہ ان کا پیغام بنی اسرائیل تک ہی پہنچایا جائے نہ کہ تمام اقوام کہ لوگوں تک۔تاہم ایک مسلمان ہونے کہ ناطہ جو اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ عیسیٰ المسیح علیہ السلام اللہ سبحانہ و تعالیٰ کہ ایک

عظیم الشان اور جلیل القدر نبی تھے، میں تو اس بات کا قائل ہوں کہ انہوں مندرجہ بالا بائبل میں مرقوم گفتگو کبھی نہیں تکلم فرمائی۔(متی باب ۱۵ فقرہ ۲٦)

ہل اور شیڈل (۱۹۹٦) میں ذکر کرتے ہیں کہ یورپی نسل سے تعلق رکھنے والوں کی تاریخ میں ہمیشہ سیاہ فام لوگوں کے ساتھ نامناسب رویہ ہی رکھا گیا ہے۔" مغربی یورپی تاریخ اور روایت میں عام طور پر سیاہ فام لوگوں کو الگ تھلگ ہی رکھا ہے۔ یا تو ان کی قربانیوں کو نظر انداز کر دیا گیا، کبھی بھلا دیا گیا یا کبھی ان کے کردار کو تسلیم ہی نہیں کیا گیا۔"[2]

جبکہ خدا کے پیامبر کبھی نفرت، بغض، عناد، یانسلی امتیاز جیسی کسی شے کی دعوت نہیں دے سکتے ۔ بائبل میں وقت گزرنے کے ساتھ اپنے ذاتی مفادات کو فروغ دینے کے لیے ایسے اضافے کیے گئے جن سے امتیازی سلوک کی بدبو آتی ہے۔

"اور موسیٰ نے ایک کوشی عورت سے بیاہ کر لیا۔ سو اس کوشی عورت کے سبب سے

جسے موسیٰ نے بیاہ لیا تھا مریم اور ہارون اس کی بدگوئی کرنے لگے۔"

(گنتی باب ۱۲ فقرہ ۱)

پرانے عہد نامہ سے ایسے اقتباسات بیان کرتے ہیں کہ افریقی نسل کےیہودیوں سے امتیازی سلوک کیا جاتا تھا۔ اسی امتیازی رویہ نے افریقی امریکی عیسائیوں میں احساس پیدا کیا اور بعد ازا نتیجہ با اثر افریقی امریکی کلیسا کے طور پر نکلا۔ گڈ فرائی ڈے(ایسٹر سے پہلے کا جمعہ)،۱۹۹۳، آرچ بشپ جارج اگسٹس اسٹالنگز، جے۔ آر

---

[2] Jim Hill and Rand Cheadle. The Bible Tells Me So. Anchor Books/ Doubleday: New York, 1996, p.13

آف وشنگٹن ڈی۔سی، نےعیسی المسیح علیہ السلام کا ایک سفید رنگ والا پتلا جلایا اور کہا کہ یہ تاریخی اعتبار سے درست نہیں۔ یسوع افریقی-ایشیائی یہودی تھے۔[3] دنیا کے طاقت ور ترین ملک میں نسلی امتیاز اور نسل پرسی کی صورت حال یہ ہے کہ تقریبا ۳۲۷ گروپس سفید فام لوگوں نے پورے امریکہ میں بنا رکھے ہیں۔[4]

۲-یہودیوں کا دوسری اقوام کے بارے میں نظریہ:

اس باب میں ہم یہودیت کی حقیقی امتیازی ساخت کا جائزہ لیں گے۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ تمام انسانیت کا رہبر اور عالمی نظام زندگی بننے کے لیے غیر مناسب ہے۔ یہودیت کی امتیازی ساخت کے علاوہ بھی یہودی لابی (پیش گاہان) بہت طاقتور اور باثر ہیں یہاں تک کہ امریکی خارجہ پالیسی کے بننے میں ان کا کردار بہت اہم ہوتا ہے اور خاص طور سے اسرائیل سے متعلقہ خارجہ پالیسی میں یہودیوں کا کردار نہایت اہم ہوتا ہے۔

یہودیوں کی اہم کتاب، تالمود، جو یہودیوں کے نزدیک افضل اور معتبر کتاب ہے۔ یہودیوں کو دیگر اقوام سے برتر اور اعلی تر درجے پر فائز کرتی ہے۔ یہودی خدا کے چنے ہوئے لوگ سمجھے جاتے ہیں۔ وہ اعلی و افضل ہیں اور ان کے اردگرد کثیر تعداد میں غیر اقوام (غیر یہودی) سے لوگ سب ناپاک اور درجہ دوم کے انسان سمجھے جاتے ہیں۔

اپنے آپ کو اعلی اور برتر اور دیگر اقوام کو ناپاک سمجھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہودیوں کو کوہ سینا پر کچھ ایسا دیا گیا جو غیر اقوام کو نہیں دیا گیا۔

---

[3] Hill and Cheadle, P.13
[4] Hill and Cheadle, P. 12

جب سانپ حوا کے پاس آیا تو اس نے ان میں ایک گندی حوس ڈال دی۔۔۔ اور جب اسرائیل کوہ سینا پر پہنچا تو یہ حوس مٹا دی گئی مگر مشرکین کی حوس ، جو کوہ سینا پر نہیں آئے تھے، نہیں مٹائی گئی۔(آبدہ زارہ ۲۲ب)[٦٥]

آئیے زوہار میں دیکھتے ہیں، جہاں یہودی ربی نے کتاب پیدائش کے اس فقرے کی یوں تشریح کی ہے "اور سانپ کل دشتی جانوروں سے جن کو خداوند خدا نے بنایا تھاچالاک تھا"۔ ان کی تشریح ہے کہ:

یعنی سانپ برائی میں زیادہ چالاک تھا بنسبت تمام دشتی جانوروں کے۔ اور زمین پر مشرکین اور بت پرست اسی قدیم سانپ کے بچے ہیں جس نے حوا کو بہکایا تھا۔ (زہار ۲۸:۱ب)

اور پھر تمام غیر یہودی (غیر اقوام) چاہے عیسائی ہوں ، بدھ مت یا ھندو سب کے سب کسی بھی طور سے یہودیوں کے برابر نہیں ہیں۔ اور یہودی تعلیمات ان کو غیر انسان مخلوق سمجھتی ہیں۔ ذیل میں تالمود کے اقتباس میں جس طرح دیگر لوگوں کی ہتک کی گئی ہے اسے پڑھ کر کوئی بھی پریشان ہو سکتا ہے۔

ایک غیرقومی۔۔۔ (ایک یہودی تو اس کا ہمسایہ ہوسکتا ہے) مگر جوابا وہ (غیر قومی یہودی کا) ہمسایہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی وہ (یہودی)اس کے کسی نقصان کا ذمہ دار ہے جو اس کی کوتاہی سے (ہی کیوں نہ)ہوا ہو۔ نہ ہی وہ اس کے مویشیوں پر نظر رکھے گا۔ یہاں تک کہ غیرقوموں کے لیے بہترین طور طریقے بھی بدلے میں قبول کرنے کے قابل نہیں۔(Bek.13b)

ملاحظہ کیجئے کہ قرآن کے بیان کردہ انصاف کے تقاضوں سے یہ باتیں کس قدر ٹکراتی ہیں۔

---

[5] تالمود کے اردو ترجمہ کی عدم دستیابی کی وجہ سے اقتباس کا ترجمہ خود کرنے کی کوشش کی ہے۔

[6] اس کا موازنہ قرآن مجید ۷سورۃ آیات ۱۹-۲۵ سے کیا جائے کہ قرآن آدم اور حوا کے بارے میں کیا کہتا ہے

"اے ایمان والوں! خدا کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو۔

اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔

انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور خدا سے ڈرتے رہو۔

کچھ شک نہیں کہ خدا تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے"

(القرآن ۵:۸)

عیسائی اور دیگر غیریہودیوں(کو تالمود میں کافر کہا گیا ہے اور وہ بھی)یہودیوں کی نفرت اور بے اعتباری سے بچ نہیں سکے۔

اگر کسی اسرائیلی اور یہودی کے درمیان کوئی معاملہ پیش آجائے تو اس کی توجیح اسرائیلی قوانین سے کر کے اس کو مطمئن کیا جائے گا اور کہا جائے گا یہ ہمارا قانون ہے ۔ اسی طرح اگر تم اسے کافروں ہی کے قوانین سے مطمئن کرو تو اسے کہو یہ تمھارا قانون ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہوسکے تو ہم بہانے سے اسے دھوکا دیتے ہیں۔(baba kama 113a)

دی جیوئش انسائکلوپیڈیا (The Jewish Encyclopedia)نے یہودی داناؤں کی آراء کا خلاصہ کچھ یوں بیان کیا ہے۔

مشنا۔۔اگر کوئی غیر قومی اسرائیلی پر مقدمہ کرتا ہے تو فیصلہ مدعا علیہ کے لیے ہوگا اور اگر کوئی اسرائیلی مدعی ہو تو وہ نقصان کا پورا بدلہ پائے گا۔

تالمود سے ایسے بہت سے اقتباسات ہیں جہاں غیر یہودیوں کو ناپاک اور کم تر تصور کیا جاتا ہے۔ اور یہ بات یہاں تک سختی سے

مانی جاتی ہے کہ اگر ان غیر یہودیوں میں سے کوئی ان کے مذہب میں داخل ہونا بھی چاہے تو یہودی اسے قبول نہیں کرتے ۔ درحقیقت تورات کا کسی غیر قومی کو سکھایا جانا موت کی دھمکی کے ساتھ ممنوع ہے:

چنانچہ تالمود نے غیر قومی کو تورات کی تعلیم دینا ممنوع قرار دیا ہے، یعقوب آر جاہنن کی جماعت کی وارث جماعت نے یہ واضح کیا ہے کہ جو کوئی ایسی جرات کرے گا تو ایسا شخص موت کا مستحق ہے۔[7]

ایسا نظام جو انتہا درجہ کا امتیازی ہے وہ عالمی طریقہ ہائے زندگی کی ساخت نہیں ہوسکتا۔

بہت سے اسرائیلی رہنما غیر یہودیوں کی زندگی کو قدر اور اہمیت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے ۔ منیم بیگن کی رائے میں لبنان کے پناہ گزیں خیموں، سابرہ اور شیٹیلاہ میں کی جانے والی زبردست نسل کشی اس رویہ کا عکس ہے:

گوئم (یعنی غیر اقوام) گوئم کو قتل کر رہے ہیں اور وہ یہودیوں کو پھانسی دینے آئے تھے۔[8]

کچھ لوگ یہ کہ سکتے ہیں کہ موجودہ یہودیت ایسے بنیاد پرست اور نسل پرست نظریات پر نہیں کھڑی ۔ تو آئیے اسرائیل کی کلیدی دفاعی مختیار کو سنتے ہیں کہ انہوں نے لبنان میں کیا کیا۔ سننے والے ان کے تالمودی انداز میں گفتگو کرنے سے حیران رہ جاتے ہیں۔ اس کی ایک مثال تب ملتی ہے جب بیگن نے غرور کے ساتھ

[7] T.Pike ,cited on page 61 that this information is cited from the Jewish Encyclopedia, Article, Gentile P. 623, Where the reference is Sanh, 59a, Hagigah 13a
[8] T. Pike,P.53

امریکیوں کو اس نسل کشی کے بارے میں اطلاع دی جو وہ کر چکا تھا۔

ہم اپنوں کے علاوہ کسی کو اپنے افعال پرجواب دینے کے مجاز نہیں[9]

باالفاظ دیگر یہودی غیر قوم کی تنقید کے بالاتر ہیں۔

قابض ہونے سے متعلق صیہونی حکمت عملی پر اگر نظر دوڑائی جائے تو فلسطین کے ساتھ ان کا رویہ ان کے اصل چہرے کو بے نقاب کرتا ہے اور فی الواقع ان کے شدید ظلم اور زیادتی کو بے نقاب کرتا ہے جو یہ عورتوں، بچوں اور لاچار بوڑھوں پر کرتے ہیں۔ اسرائیلی عہدداران غیر اقوام کے قوانین کو جو یہودیوں کے مفاد میں نہیں ہوتے واشگاف الفاظ میں انہیں رد کرتے ہیں۔ انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کے اس فیصلہ کہ بٹوارے کی دیوار کی تعمیر عالمی قوانین کی خلاف ورزی ہے کے بعد ، یوسف لےپڈ، اسرائیل کے وزیر انصاف ، نے سرکاری ریڈیو کو ۱۰ جولائی، ۲۰۰۴، کو بتایا کہ ہم ہیگ میں منعقدہ انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کی بجائے اپنی عدالت عالیہ کے فیصلہ کو ترجیح دیں گے نہ کہ انٹرنیشنل کور ٹ آف جسٹس کو۔ ہر غیر یہودی شے کی جانب یہ تحقیر کا خالص صیہونی تالمودی نظریہ ہے۔ ساری دنیا ہمیشہ غلط ہے۔ نیز اقوام متحدہ کی دسیوں قرارداد یں کہ اسرائیل درست نہیں۔ فلسطینی پناہگزیں کیمپس پر بہت سے خون ریز اور نسل کش حملے اور غیر امتیازی قتل صہیونی حق ہے اور وہ دفاع میں کیے جاتے ہیں۔ صحافیوں اور امن کے لیے کوشاں افراد کے ساتھ بدتمیزی اور ان کا قتل ایک چھوٹی سی غلطی ہے۔

---

[9] T. Pike, P 72 for more information about Jewish atrocities look at the New York Times, August, P.1, and The National Geographic, April 1983, P 514

یہ رویہ صرف ان کے سیاستدوانوں تک ہی محدود نہیں بلکہ یہودی ربی اور کیمیادان ریہووٹ ، اسرائیل کے موشے انتیلمان نے سور کے گوشت کی چربی والی گولی (bullet) تیار کی ہے ۔

انتیلمان، ایک ربی اور ایک کیمیا دان ، نے دیندار مسلمانوں پر استعمال کرنے کے لیے سور کے گوشت کی چربی سے پر بارود تیار کیا ہے، انتیلمان کا سوچنا ہے کہ سور کے گوشت کے چھونے سے مسلمان جنت میں جانے والی روح سے محروم ہو جائیں گے ۔[10]
اس ربی نے ویسٹ بینک سیٹلرز کے سامنے اس نئی ایجاد کو پیش کیا ہے اور اس عسکری پورک (سور کا گوشت) سے متعلق پینٹاگون کی توجہ کی امید کرتا ہے ۔[11]

یہ صرف ایک مثال ہے کہ کیسے یہودی رہنما دیگر اقوام کے لوگوں کی عزت اور تکریم کرتے ہیں۔

دیگر اقوام سے متعلق صیہونیوں کی نفرت اور ایک عجیب احساس برتری نے انہیں اس بات کی جرات دی ہے کہ انہوں نے اپنے ساتھی و ہم نوا ، امریکی شہریوں، پر بھی پر بندوقیں چلائیں اور بہت سے فوجیوں کو مار ڈالا، جس کی مثال ان کے سیویج اٹیک سے ملتی ہے کہ جب انہوں نے دن دھیاڑے امریکی بحریہ کے جہاز "لبرٹی" پر حملہ کیا تھا۔[12]

ایک انٹرویوں میں امریکی نژاد یہودی فلسفی اور ایم۔ آئی ۔ٹی کے ماہر لسانیات، پروفیسر نوائم چامسکی ، نے ایک سوال کے جواب میں دیگر اقوام سے متعلق یہودی نظریہ کے بارے میں یوں کہا:

---

[10] احبار باب ۱۱ فقرات ۹-۸ میں بھی صور کی ممانعت ہے

[11] **Sunday.** August 28, 1994,P 18

[12] For more details see Paul Findley's book They Dare to Speak, Published in first in 1985 By Lawrenece Hill Books, P (165-179)

اگر آپ قدیم یہودیوں کو دیکھیں، چاہے مشرقی یورپ کے یہودی یا شمالی افریقہ کے، ایک عیسائی ہونا یا غیر یہودی ہونادراصل ایک ایسی مخلوق ہونا تھا جو یہودیوں سے کم تر ہے۔ مثال کے طورپر یہودی ڈاکٹر کو روا نہیں کہ وہ کسی غیر یہودی کا علاج معالجہ کرے چہ جائے کہ اس سے کوئی نفع یہودیوں کو پہنچتا ہو۔ سلطان کا ڈاکٹر میمونیڈز [۱۳]ہوسکتا ہے کیونکہ اس سے یہودی فوائد اٹھا سکتے تھے مگر اس سے کے علاوہ قطعا نہیں۔

اور جب چامسکی سے یہ سوال کیا گیا :

کہ کیا یہ کوئی تمدنی و تہذیبی روایت تھی یا مذہبی ؟

اس نے کہا:

یہ "حلقہ" سے ہے، یعنی ربانی روایت۔ اور اس طرح کا اور بہت کچھ ہے۔ یہ (یہودی) ایک طرف تو مظلوم اقلیت ہیں مگر دوسری طرف نسل پرست۔ اور یہ نسل پرستی تب بڑھ گئی جب یہ ظلم سے آزاد، ایک نسل پرست اکثریت ہوئے۔

پہلے حصہ میں ہم نے یہودیوں کا دیگر اقوام کے بارے میں نظریہ پر گفتگو کی۔ مصنف نے یہودی ماخذ سے بہت حوالہ جات فراہم کیے ہیں جس سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ غیر اقوام کے ساتھ امتیازی سلوک ایک نظریاتی مسئلہ ہے اور صہیونی یہودیوں کا دینی فریضہ ہے۔تاہم یہودیت صرف مورثی ہے، اور کسی بھی قوم کا فرد اس کا حصہ نہیں ہوسکتا ۔ دیگر تمام اقوام کے افراد اس تنگ نظر نظم کا حصہ بنے سے دور رکھے گئے ہیں کہ جہاں یہودیوں کو بلا دلیل تمام اقوام سے بالاتر سمجھا جاتا ہے ، صرف اس لئے کہ وہ یہودی ہیں۔

[13] سلطان سلاح الدین کے یہودی طبیب کی جانب اشارہ ہے

۳-ہندوستان میں معاشرتی مذہبی نظام:

اس حصہ میں ہم دیکھیں گے کہ جس طرح نسل پرست تعلیمات کی وجہ سے یہودیت عالمی نظام ہونے کے لائق نہیں ہے ٹھیک اسی طرح ہندومت بھی نسل پرست وجوہات کی بنا پر اپنے آپ کو عالمی نظام کے لائق ہونے سے معزول رکھتا ہے ۔ ہندومت کی بنیادیں ذات پات میں ہیں۔ جو ذات پات کے نظام کو نہ صرف فروغ دیتا ہے بلکہ اس مذہب کا ایسا جزو ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ذات پات کا نظام ہندو معاشرہ کو چار بڑی ذاتوں میں تقسیم کرتا ہے۔

(الف) برہمن ۔ پڑھا لکھا مذہبی گروہ

(ب)کشتری۔ جنگجو اور حکمران گروہ

(ج)ویش۔ تجارتی اور کاشتکار لوگ

(د)شودر۔ سب سے کم تر ذات جس کا واحد کام برترذات والوں کی خدمت ہے

دلت اور اچھوتے جو بےذات ہیں اس لیے کہ وہ اصل چاروں ذاتوں میں سے کسی کا حصہ نہیں ہیں۔ یہ اچھوت اس لیے ہیں کہ ان کا کسی چیز کو چھونا اسے آلودہ کر دیتا ہے۔پس یہ دوسری ذات والوں سے ٹھیک ٹھاک فاصلے پر رہنے چاہیں۔ یہ گروہ ہندو معاشرہ کے انتہائی پیچیدہ نظام کا حصہ ہیں، جہاں یہ اٹھائی سو مخصوص گروہوں کے سربراہ ہیں۔[۱۴]

ہر ایک ذات میں مشرق و مغرب کا سا فاصلہ ہے۔ روئے زمین پرعدم مساوات کی اس سے زیادہ غضب ناک مثال نہیں ملتی۔ جو

[14] John Campbell Oman. The Brahmans, Theists and Muslims of India, Delhi, 1973, p 50 and Dalit Voice, 15:4, p 20. In Fazile, 1997, p 148-149

جس ذات میں پیدا ہوتا ہے وہیں مرتا ہے۔ صرف ہندوستان کا موجودہ سیاسی نظام اس ذات پات کے نظام کو رد کرتا ہے۔

ذات پات کا یہ نظام ہندو تعلیمات میں مانو کے دور میں ملا، یہ وہ وقت تھا جب برہمن تہذیب عروج پر تھی۔ اس وقت ہی سے یہ ہندو سماجی مذہبی نظام کا غیر مکسور جز بن گیا ۔ ذات پا ت کا نظام کم و بیش موروثی نظام بن چکا ہے ۔ جمہور کی حقوق کو اقلیت میں موجود حکمرانوں نے صرف اس لئے دبایا تاکہ اپنی برتری اور پاکی قائم رکھی جاسکے۔

گستیو لی بان نے مانو(ہندو تعلیمات، ویدھ ، کے نامور مصنفین میں سے ایک)کی بعض تعلیمات کا ذکر کیا:

اس ضابطے نے برہمنوں کو برتری ، فضیلت اور تقدس اس قدر دیا کہ ان کا مقام بڑھا کر خداؤں کے مقام کے برابر کردیا... جو کوئی بھی برہمن پیدا ہوا وہ اس دنیا میں سب سے مقدس مخلوق ہے۔ وہ تمام خلق کی گئی چیزوں کے سلطان ہیں اور ان کی ذمہ داری شاستروں کا دفاع ہے۔ اور ہندو تعلیمات ان کی اس طاقت کو قانونی جواز فراہم کرتی ہیں۔

دوسرے لوگوں کے حقوق کی قیمت پر مانو برہمنوں کو مزید اختیارات سے نوازتا رہاہے۔[۱۵]

زمین پر جو کچھ ہے وہ سب برہمن کا ہے، اس لیے کہ وہ مخلوق میں سب سے فضیلت والا ہے۔ سب کچھ اس کے لیے ہے۔

جو کچھ بھی ہے شودروں کو کوئی اختیار حاصل نہیں ۔ وہ جانوروں سے بھی برتر ہیں ۔[۱٦]

---

[15] ایضا

[16] ایضا

ایک شودر کبھی جائداد نہیں بنا سکتا۔ اگرچہ اس کے پاس کوئی موقع بھی ہو۔ پس اگر وہ ایسا کرتا ہے تو وہ برہمنوں کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ شودر کے لیے اس بڑھ کر کچھ قابل عزت نہیں ہوسکتا کہ وہ برہمن کی خدمت کرے۔ اس کے علاہ کچھ بھی اسے فائدہ نہیں پہنچا سکتا ۔ شودر جس عضو سے برتر ذا ت کے آدمی کو نقصان پہنچائے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ اسے اس عضو سے محروم کر دیا جائے۔[۱۷]

اس بے حد فضیلتوں میں مزید:

کسی کتے، بلی،مینڈک ، چھپکلی، کوا، الو یا شودر کے قتل کا ایک ہی کفارہ ہے۔[۱۸]

یہ بے انتہاامتیازی نظام کوئی ماضی کی بات نہیں، بلکہ اس کے واضح اثرات سیاست میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ انتہائی مشکل ہوگا کہ ایسے غیر منصفانہ نظام کو مانا جائے ، قبول کیا جائے اور پھر طریقہ ہائے زندگی کے طور پر اپنایا جائے۔ اور انسانیت کے لیے عالمی نظام کے طور پر ذکر کیے جانے کے قابل ہی نہیں ہے۔

۴-کیپیٹل ازم:

کیپیٹل ازم کوئی مذہب تو نہیں ہے مگر یہ لاکھوں لوگوں کی زندگی گزارنے کا طریقہ بن چکا ہے۔جہاں وہ ایک چیز کو پانے کی بھرپور جستجو کرتے ہیں اور جب اسے حاصل کر لیتے ہیں تو پوری قوت سے اس کا دفاع کرتے ہیں۔ لاکھوں لوگ امریکی کیپیٹل ازم کے نام پر اب تک بے وقوف بن چکے ہیں۔[۱۹] جیسے سٹیچو آف لبرٹی ہر نئے آنے والے کو خوشیوں اور امکانات کی سرزمین پر

---

[17] ایضا
[18] ایضا
[19] ایضا

خوش آمدید کہتا ہے ۔ تاہم ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ غلامی کی تاریخ بھول گئے ہیں، دی پلانٹیشن یا بیک آف دی بس نظریہ ، جس کے تحت سیاہ فام شخص کو پبلک سواری میں اگلی سیٹوں پر بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی۔بعض کیپیٹلسٹس بے انتہا مال و متاع کی طلب کے سنگین نتائج سے پریشان ہیں۔جیسے جرائم کی بڑھتی ہوئی شرح، زنا بالجبر، بچوں کے ساتھ زیادتی کے واقعات، عورتوں پر تشدد، نشے کی عادات، مخفی اور ظاہر امتیازی رویے، بے گھری اور بوڑھے لوگوں پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹنا۔

غیر مساوی اور امتیازی رویہ کے نتیجے میں ایفرو امیریکن گروہ کو بہت سی بڑھتی ہوئی مشکالات کا سامنا ہے۔ سفید رنگ امیریکیوں کو بھی مشکلات کا سامنا ہے مگر سیاہ فام لوگوں کی مصیبتیں پریشان کن ہیں۔

فلپسن (۱۹۹۲) نے فلپس-سٹاک فنڈکے کلیدی تفتیشی کی جانب اشارہ کیا ہے ، تھامس جیسی جونز، ایک ویلش امریکی، جو سیاہ فام امریکیوں کی علیحدہ تعلیم کی پالیسی بنانے میں نہایت اہم تھے۔صدی کے آغاز ہی میں سیاہ فاموں کو مناسب تعلیم مہیا کرنے کا جو نظام بنایا گیا تھا وہ مکمل طور امتیازی بنیادوں پر تھا۔کیونکہ سیاہ فاموں کو کم تر ذات کے طور پر دیکھا جاتا تھا اور انہیں کم درجہ کی تعلیم ہی کے قابل سمجھا جاتا تھا اور گھٹیا کاموں ہی کے لیے موزوں قرار دیا جاتا تھا اس لیے کہ وہ سفید نہیں تھے۔

سفید لوگ تو ہیں ہی رہنمائی کے لیے،**کاکیشیائی** ہی حکومت کریں گے ۔ جنوب والوں کے لیے نیگرو ایک مناسب موقع ہیں۔ وقت نے یہ بات ثابت کی ہے کہ جنوبی ریاستوں میں سخت مزدوری کرنے کے لیے یہ سب سے مناسب ہے۔ وہ سفید امریکیوں یا کسی بھی بیرونی نسل کے مقابلے میں چاہت کے ساتھ کم درجہ کی نوکریوں

کو بھی قبول کر لیتا ہے اور زیادہ سخت کام کرتا ہے اور کم اجرت لیتا ہے۔ (اس کا حوالہ برمن۱۸۰:۱۹۸۲ اور بحوالہ فلپسن ۱۹۹۲:۱۹۹)[۲۰]

افریقن امریکنوں کی کل پیدائش کا انسٹھ فیصد بغیر شادی کے بندھن کے جنم لیتا ہے۔ دو تہائی بچے یا تو باپ کے بغیر رہتے ہیں یا ماں کے بغیر۔ اکثر اسطرح ہوتا ہے کہ ایک تہائی افریقی امریکی لڑکے سولہ سال کی عمر سے پہلے قید کی سزا سنا دئے جاتے ہیں یا جیل بھیجے جا چکے ہوتے ہیں۔ دس میں سے چار سیاہ مرد سولہ سے پینتیس سال تک کی عمر اپنی عمر جیل، حوالات یا پے رول پہ گزارتے ہیں۔ منشیات کا سب سے زیادہ استعمال کرنا، اسکول سے خارج ہونا اور زنا کی سب سے زیادہ شرح سیاہ فام لوگوں میں پائی جاتی ہے۔[۲۱] بچنن نے اسی طرف اشارہ کیا ہے اور اقلیتوں سے متعلق کچھ ایسے ہی اعداد و شمار پیش کیے ہیں مگر انتہائی روایتی انداز اپنایا ہے بجائے اس کے کہ ان حیران کن اعداد شمار کی اصل وجوہات تک پہنچا جاتا۔ جن اقلیتوں نے ماضی میں غلامی اور شدید ظلم و بربریت کا سامنا کیا ہے آج وہ اداروں کی مخفی بربریت اور عدم توجہ کا شکار ہیں۔ مساوات اور انصاف کے لیے بس تھوڑی سی توجہ درکار ہے۔ بربریت اور ظلم کی تاریخ اور تاریک صدیوں کی تلافی کرنے کے لیے کوئی بھی کوشش نہیں کی جارہی سوائے اس کے کہ ایک دوسرے کو قصوار قرارٹھہرایا جارہا ہے اور اقلیتوں پر الزام لگائے جارہے ہیں۔ علاقائی اعتبار سے انتہائی نامناسب اور ناکام نظام اس قابل نہیں ہوسکتا کہ وہ دنیا بھر کے پیچیدہ مسائل کو حل کر سکے۔

---

[20] Robert Phillipson, Linguistic Imperialism. (Oxford University Press, 1992), 119
[21] William J. Bennet, Index of leading Cultural Indicators, (New York: Broadway Books, 2000) p 50-27

بنیادی طور پر کیپیٹل ازم معاشی عدم توازن کا نتیجہ ہے۔خاص طور پر اقلیتوں اور 'نان پروڈیوسنگ سیگمنٹس' کے لیے،جیسے بچے اور بوڑھے۔ امریکہ اور مغرب میں پچھلے ایک سو سال میں بڑی معاشرتی تبدیلیاں آئی ہیں جن کی وجہ سے بہت سے نئے معاشرتی مسائل نے جنم لیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے خاندانی کھیت کھلیان اور خاندانی کاروبار پر کارپوریٹ غلبہ کے بعد معاشی معاشرتی استحکام عدم توازن کا شکار ہوا ہے۔اگر کسی کو کیپیٹل ازم سے فائدہ ہوا ہے تو معاشرہ کے چند افراد کو ہوا ہے باقی معاشرہ کا بڑا طبقہ جیسے بوڑھے ، متعلقہ ،بیوہ یا بے سہارا خواتین، سیاہ فام یا ایسے افراد جو بغیر کسی شادی کے بندھن کے جنم لیے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو اس عدم استحکام کی زد میں آئے ہیں۔

امریکی شہروں کے اندرون میں سب سے زیادہ بے گھر افراد بوڑھے ہوتے ہیں۔ بہت سے ماہرین عمرانیات کے اندازے کے مطابق بوڑے افراد کے بےگھر ہونے کا مسئلہ مستقبل قریب ہی میں نہایت سنگین ہوسکتا ہے۔[۲۲]پیدائش کے تناسب کا کم ہونا اور بوڑھے افراد کا بڑھنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہےکہ ایسے رجحانات مزید جاری رہیں گے۔ ایسا دیکھا جارہا ہے کہ بہت جلد بوڑھے آبادی کا ایک بڑا حصہ ہوں گے۔سن ۱۹۰۰ میں پینسٹھ سال سے اوپر کے اشخاص کا امریکی آبادی میں صرف چار فیصد تناسب تھا(یعنی تین ملین لوگ)۔ مگر سن ۱۹۷۶ میں یہ بڑھ کر کل آبادی کا دس فیصد ہوگیا (یعنی بائیس ملین)۔ اس بات کا اندازہ لگایا جاتا ہے کہ امریکہ میں سن ۲۰۳۰ میں پینسٹھ سال سےزائد عمر کے افراد کل آبادی میں پچاس ملین سے زائد ہونگے۔تقریبا کل آبادی کا سترہ فیصد۔[۲۳] یہ امریکی مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ کیپیٹلسٹ مسئلہ ہے۔ کیونکہ وہاں

[22] Sullivan Thompson, Wright, Gross and Spady (1980) in their book Social Problems: Divergent Perspectives.
[23] According to the American institute of Gerontology, Information on aging (Wayne State University/ University of Michigan, no. 10 October 1, 1976)

انفرادی دولت ، بشمول افراد کے، ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔ اقوام متحدہ کی کیپیٹلسٹ یورپ کی آبادی میں کمی کے اعداد و شمار کے مطابق سن ۲۰۰۰ میں چار سو چورانوے ملین یورپیوں نے پندرہ سے پینسٹھ سال تک کی عمر پائی۔ جس کے بارے میں اندازہ کیا جارہا ہے کہ ۲۰۵۰ میں یہ بڑھ کر تین سو پینسٹھ ملین ہو جائے گی۔تاہم آج کے ایک سو سات ملین بوڑھے اسی عرصہ میں بڑھ کر ایک سو بہتر ملین ہو جائیں گے ۔[۲۴] اس وقت تک یورپ کی کل آبادی کا ایک تہائی پینسٹھ برس سے زائد عمر کا ہوگا۔

بوڑھوں، غریبوں اور سیاہ فام لوگوں سے نامناسب رویہ اور ان سے مخفی اور ظاہر امتیازی سلوک ہوتے ہوئے بھی ، مغربی اقوام یہ محسوس کرتی ہیں کہ ان کی تہذیب اور ان کا تمدن سب سے برتر ہے۔ اور وہ اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ اپنا طریقہ زندگی اور حکمرانی دیگر کم تر تہذیبوں پر مسلط کر سکیں۔

نظریاتی طور پر کیپیٹل ازم معاشرے کے ہر طبقے کے ساتھ مساوات کا سلوک روا رکھنے کا خواہاں ہے مگر اس کو عملی جامہ پہنانے میں کوئی مناسب لائحہ عمل نہیں دیتایہ معاشرے میں ایک نئے طرز کا اقتصادی ذات پات کا نظام لاتا ہے جس کے نتائج میں عدم مساوات اور معاشرے میں تقسیم کی فضا قائم ہوتی ہے۔ جیسےمعاشرے کے افراد کو صحت اور تعلیم کی غیر مساوی ضروریات کی فراہمی۔ جہاں معاشرے کے مضبوط طبقات جیسے امیر، نوجوان اور سفیدلوگوں کے حقوق تو محفوظ رکھے جاتے ہیں مگر معاشرے کے کمزور طبقات جیسے عورتوں، بچوں،بوڑھوں کے حقوق کو یکسر نظر انداز کردیاجاتا ہے۔

---

[24] Population Division, Department of Economics and Social Affairs, United Nations Secretariat, Replacement Migration: Is it a Solution to Declining and Aging population? March 21, 2000, p 139. In P.J. Buchanan. Death of West. St. Martin's Press: New York. Pp. 97-98

یہاں کمیونزم اور مساوات کو ذکر کرنے کی ضرورت اس لیے نہیں ہے کیونکہ کمیونزم کے ماننے والوں اور اس کے حامیوں کی بڑے تعداد نے خود ہی اس کا رد کیا ہے۔ کمیونزم کو اپنانے والی قوموں کے ہاتھ کوئی بڑی تبدیلی نہیں آئی بلکہ ان کے حصے میں غربت اور بدحالی ہی آئی ہے۔

دراصل کیپیٹل ازم کی جڑیں ہی اس سازش میں ہیں کہ امیر ، امیر تر ہو جائے اور غریب، غریب تر ہوتا چلا جائے۔ دنیا اب کسی کیپیٹلسٹ ملٹی نیشنل کمپنی کے ہاتھوں کسی اقتصادی تجربے کی متحمل نہیں ہوسکتی ۔ ضرورت اب اس امر کی ہے کہ کوئی ایسا عالمی نظام زندگی اپنایا جائے کہ انسانیت کے کھوئے ہوئے تقدس کو بحال کیا جاسکے اور تمام امتیازی رکاوٹوں کو ختم کیا جاسکے ۔ جو انسان کو دنیا کی سب سے معزز مخلوق تصور کرے ۔ ایک ایسا نظام زندگی جو انسانیت کو ایک عالمی طریقہ ہائے زندگی کی اس منزل تک پہچائے جسکا انسانیت خواب دیکھتی ہے۔

۵- اسلام اور عالمی مساوات:

اب کسی بھی نظام کا عالمگیر ہونے کا اگر دعوی ہے تو اس کو لازمی طور پر اپنے پیروکار وں کی قدر اور ان کی قابلیت کو رنگ، نسل ، علاقہ معاشی و معاشرتی پس منظر سے صرف نظر کرتے ہوئے قبول کرنا ہوگا۔ کیونکہ ایسا ہی نظام لوگوں میں خوبیوں اور قابلیت کو ترویج دے گا نہ کہ کسی ایسی شے کی جو انہیں قدرت نے عطا کی ہے جیسے رنگ، نسل، ملک، علاقہ۔ اسلام کی نظر میں سب انسان برابر ہیں۔ اسی لیے ایسے قدرتی تفریقیں باعث

تعریف ہیں اور با مقصد ہیں۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جس کی نظر میں تمام انسان خالق حقیقی کے سامنے برابر ہیں۔

"اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش، اور تمہاری زبانوں اور

تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں دانشمند لوگوں کے لیے"

(القرآن ۲۲:۳۰)

آپﷺ نے فرمایا:

"کسی عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت نہیں اور نہ ہی کسی عجمی کو کسی عربی

پر کوئی فضیلت ہے۔ نہ کوئی کالا کسی گورے سے بہتر ہے اور نہ گورا کالے سے۔

تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا تھا۔"[۲۵]

اسلام نے ہر قسم کی فوقیت اور برتری کو رد کیا ہے جو نسلی، علاقائی ،معاشی یا لسانی بنیادوں پر ہو۔ اگر برتری کا کوئی معیار ہے تو وہ اچھا اخلاق اور پاکدامنی ہے۔ اس کے بارے اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں

[25] Narrated by Bayhaqi and Bazzaar

اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو در حقیقت اللہ کے نزدیک

تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ

پرہیز گار ہے یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔"

(القرآن ۴۹:۱۳)

عرافات کے مقام پر آج سے چودہ سو سال سے زائد عرصہ پہلے نبی اکرم ﷺ نے ایک لاکھ سے زائد کے مجمع سےخطاب فرماتے ہوئے اسلام کے مساوات سے متعلقہ ابدی قوانین بیان فرمائے۔ اس لیے ہر سننے والا اسے آگے سنائے گا جو وہاں موجود نہیں تھا۔

اے لوگو! سنو تمہارا رب ایک رب ہے، تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا تھا۔ ۔ فضیلت صرف اور

صرف تقویٰ کے سبب ہے۔کسی عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت نہیں

اور نہ ہی کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت ہے۔ نہ کوئی کالا کسی گورے

سے بہتر ہے اور نہ گورا کالے سے۔ کیا میں نے پیغام پہنچا دیا ہے؟ اے اللہ تو گواہ ہے۔

جو موجود ہیں وہ ان تک پیغام پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں۔

پروفیسر رام کرشناراؤ ایک ھندو پروفیسر[۲۶]نے ساروجنی نیدہ ایک بڑی ھندوستانی شاعرہ کا حوالہ دیا ہے ، جنہوں نے اسلامی مساوات کے عمل کو یوں بیان کیا ہے۔

یہ پہلا مذہب تھا جس نے ڈیموکریسی پر عمل کیا۔مسجد سے جب اذان کہی جاتی تھی تو تمام لوگ عبادت کے لیے اکھٹا ہوجاتے اور اسلامی مساوات کا عملی اظہار دن میں پانچ وقت یوں ہوتا کہ کسان اور بادشاہ شانہ بہ شانہ کھڑے ہوتے اور اس بات کا اعلان کرتے کہ صرف خدا ہی سب سے بڑا ہے۔

ھندوستان کی عظیم شاعرہ مزید کہتی ہیں۔

میں اکثر اس نکتہ پر آ کر رک جاتی ہوں کہ اسلام کی مساوات ناقابل تقسیم ہے اور لوگوں کو جبلی طور پر بھائی بھائی بنا دیتی ہے۔جب آپ کسی مصری، الجزائری، ھندوستانی یا ترکی سے لندن میں ملیں گے تو جو فرق ان میں ہوگا وہ صرف آبائی علاقے کا ہوگا[۲۷]۔

مساوات اسلام کا ایک ایسا جزو ہے کہ جس کو کسی طور سےنظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔اور نہ ہی یہ صرف کوئی نعرہ ہے۔ اس کا عملی اظہار ہر روز پانچ دفعہ یوں کیا جاتا ہے کہ تمام مسلمان ایک صف میں تمام فرق مٹا کر اللہ کہ بارگاہ میں کھڑے ہوجاتے ہیں ۔ اسلامی مساوات کی مثالی صورت حج کے دوران نظر آتی ہے جہاں تین ملین مسلمان ستر سے زائد ممالک سے ایک جگہ ایک لباس میں صرف اللہ کی رضا اور اس کی ثنا بیان کرنے کو اکھٹے ہوتے ہیں۔ رنگ، نسل ، زبان جیسی تمام تفریقیں کو مٹا دیا جاتا ہے۔

[26] Professor of Philosophy, University of Mysore, India
[27] K.S. Ramakrishna Rao, Mohammad: The Prophet of Islam. Al-Furqan Agency. P 11

کچھ نظام زندگی تو مذہبی تخصیص کو فروغ دیتے ہیں (جیسے یہودیت، عیسائیت، ھندوازم) اور بعض معاشیات کو فروغ دیتے ہیں،جس کے نتیجے میں معاشی عدم استحکام معاشرے کو تباہ کرتا ہے۔ (کیپیٹل ازم، کمیونزم، سوشل ازم)،صرف اسلام ہی ہے جو سب کو قبول کرتا ہے اور مساوی سلوک رکھتا ہے۔یہ بات ہمیں ایک نئی بحث کی طرف لے جاتی ہے۔ جس میں اسلام اور دیگر نظریات کے درمیان رواداری کے حوالے سے تقابلی جائزہ لیا جائے گا، جو کہ ورلڈ آرڈر کے لیے دوسری شرط ہوگی۔

فصل دوم

عالمگیریت اور رواداری

ہماری دنیا کی سب سے منفرد چیز جو ہے وہ ہے عقائد اور تہذیبوں میں تغیر۔اس لیے کسی بھی نظام کا عالمگیر ہونے کا اگر دعوی ہے تو اس کے لیے اہم ہے کہ دوسرے مذاہب اور تہذیبوں کو برداشت کرے اور یہ ایک ایسی شرط ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔کتاب کے اس حصہ میں مختلف مذاہب اور نظریات کے تاریخی شواہد کو دیکھا جائے گا اوران کے رواداری کے رویہ کو اسلام کے نظریہ رواداری کے ساتھ رکھ کر پرکھا جائے گا۔ یوں تو یہودی عدم برداشت کا تذکرہ پہلی فصل میں میں کرچکا ہوں اس لیے اب میں عیسائیت سے شروع کرتا ہوں۔جس کے بارے میں بعض کا مسیح علیہ السلام کی روادری کے بارےمیں دعوی ہے مگر جب ہم تاریخ میں اس کا اطلاق اٹھا کر دیکھتے ہیں تو نتائج یکسر مختلف نظر آتے ہیں ۔ اس سے بالا تر کہ یہودیت اور عیسائیت کی تعلیمات کا آغاز اللہ کے برگزیدہ اور حلیم پیغمبروں کے ہاتھوں پر ہوا مگر وقت کے ساتھ ساتھ بہت سی چیزوں کا ان کی اصل تعلیمات کے ساتھ اِضافہ کردیا گیا جو کبھی ان کا حصہ تھیں ہی نہیں۔

۱۔ صلیبیوں کا فلسطین میں رویہ:

آئیے صلیبیوں کے اس طرز عمل پر نظر دوڑاتے ہیں جو انہوں نے فتح یروشلم اورمسلمانوں کے خلاف علم جنگ بلند کر کے اپنایا ۔ ان

جنگوں کو مقدس جنگیں تصور کیا جاتا تھا جو پوپ کی برکتیں حاصل کر کے عیسائیت کے جھنڈے تلے لڑی جاتی تھیں ۔

یروشلم کا ایک مہینہ تک محاصرہ کیا گیا ۔ یروشلم میں رہنے والوں نے بہت بہادری سے انکا مقابلہ کیا مگر جب صلیبیوں کو فتح ہوئی تو وہ گلیوں میں داخل ہوئے اور جو چیز ان کو نظر آئی اسے قتل کردیا، تباہ کردیا یا جلادیا۔ انہوں نے مردوں، عورتوں اور بچوں پر ظلم کرنے میں کوئی فرق روا نہیں رکھایہ قتل عام ساری رات جاری رہا۔ جمعہ، ۱۵ جون ۱۰۹۹،صلیبیوں نے مسجد الاقصی کا دروازہ توڑ دیا اور وہاں پناہ لینے والے سب لوگوں کوقتل کردیا۔ ابن کثیر نے اپنی کتاب الکامل میں قتل عام کا تذکرہ یوں کیا ہے۔

صلیبیوں نے ستر ہزار سے زائد لوگوں کو قتل کیا۔ ان میں سے بعض علماء، فاضلین اور وہ دانا حضرات تھے جو اپنے اپنے علاقوں کو چھوڑکر اس مقدس مقام میں رہنے کو یہاں شریف لائے تھے۔ صلیبیوں نے مقدس مقامات سے چاندی کے چالیس کے قریب قیمتی فانوس چورائے ، اس ایک کی قیمت چھتیس سو چاندی کے درھم تھی۔

اپنی کتاب ، دی عرب سویلائزیشن میں ، فرانسیسی گستیو لی بان نے صلیبیوں کا یروشلم میں داخل ہونا یوں بیان کیا ہے۔

صلیبیوں کا یروشلم میں داخل ہونے کا طریقہ متحمل خلیفہ عمر ابن الخطاب سے بہت مختلف تھا کہ جب وہ عیسائیوں پر اسی شہر میں کچھ صدیاں پہلے داخل ہوئے تھے۔[۲۸]

بلول شہر کے پادری، ریمنڈ ڈیگائل نے تاریخ میں اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے۔

[28] Gustave le Bon The Arab Civilization. (tr. Adel Zueriter)

جب ہمارے لوگوں (عیسائیوں) نے یروشلہم کے درو دیوار کو فتح کیا تو عرب کے ساتھ جو ہوا وہ پریشان کن ہے۔ بعض مسلمانوں کے سر کاٹ دے گئے اور بعضوں کو شدید زخمی کیا گیا تاکہ وہ اپنے آپ کو دیواروں سے نیچے لے آئیں، کچھ کو زندہ جلا دیا گیا۔ اس روز یروشلم کی ہر سڑک پر مسلمانوں کے کٹے سر، ٹانگیں اور ہاتھ تھے یہاں تک کہ اس روز لاشوں پہ نہ چلنا محال تھا۔ یہ صرف ایک نمونہ ہے کہ اس روز کیا ہوا تھا۔[29]

خلیل توطہ اور بولوس شہادہ (دونوں عیسائی لکھاری ہیں)نے اس قتل عام پر یوں لکھا ہے:

صلیبیوں نے اس جگہ جہاں یسوع کو مصلوب کیا گیا اور دفنایا گیا ، جو ظلم کیا وہ شرم ناک ہے اور گناہ ہے۔یسوع نے تو سیکھایا تھا کہ اپنے دشمنوں سے محبت کرو۔ صلیبیوں نے کہ جن کے پیش نظر مقدس صلیب تھی انہوں نے عورتوں ، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کیا۔یہاں تک کہ جو لوگ اقصی کی طرف چلے گئے تھے تو گوڈ فرے نے ان کا پیچھا کیا ۔ گوڈفرے تو مقدس ٹومب (مقبرہ) کا محافظ تھا۔ اور جب وہ جاوا میں مصریوں سے برسرپیکار تھا تو اس نے اپنے چاہنے والوں سے کہا کہ اسے واپس یروشلم لے جایا جائے جہاں بعد میں اس کا انتقال ہوگیا۔ وہ نیٹیوٹی چرچ میں دفن کیا گیا ۔[30]

بدقسمتی سے صلیبی جنگیں ماضی بعید کی باتیں نہیں ہیں جیساکہ کوئی شخص مغالطہ کا شکار ہوسکتا ہے۔ یہ آج باثر عیسائیوں کے ذریعے جاری ہیں ۔ یہودیوں اور مسلمانوں کی ان خونریزجنگوں سے وابستہ نہایت تلخ یادیں ہیں۔ ماضی میں اور دور حاضر میں

[29] In Al-Quds History and Views pp 18-19
[30] Khalil Toutah and Bolous Shehadeh. Jerusalem’s History and Guide. Jerusalem, 1480 p28

مشنریوں کا لوگوں کو بہکا کر عیسائی کرنا بھی صلیبی جنگ سمجھا جاتا ہے۔سیاسی رہنما دوسری قوموں سے اپنے دہرے رویے کو بھی صلیبی جنگ سمجھتے ہیں۔ دوسروں لفظوں میں یہ کہ عیسائیوں کا دوسروں کو برداشت کرنا ان کے ایجنڈے میں شامل ہی نہیں۔ یہ ناانصافی ہوگی کہ اگر انبیاء (علیھم السلام) کی اصل تعلیمات کا انکار کر دیا جائے۔ انہوں نے تو برداشت اور رواداری سیکھائی بھی اور اس کا عملی مظاہرہ بھی کیا۔ وہ ہدایت اور رہنمائی لائے تھے۔ تاہم ان کی تعلیما ت میں سنگین رد و بدل کے نتیجہ میں صلیبی جنگیں، غلامی ، نسلی و لسانی امتیاز، نو آبادکاری اور دوسرے لوگوں کے ساتھ منافقانہ طرز اپنانے جیسے کام ہوئے۔

۲-فلسطین میں یہودی اور عیسائی، مسلمان دور حکومت میں:

صلیبیوں کی فلسطین میں تاریک تاریخ کے برعکس مسلمانوں نے رواداری اور برداشت کی جو عالمی مثال پیش کی تھی دنیا کی کوئی بھی قوم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ابوعبیدہ، مسلمان سپہ سالار نے خیلفہ ثانی کے لیے پیغام بھیجا کہ یروشلم کے لوگ چاہتے ہیں کہ آپ وہاں تشریف لائیں اور شہر کی چابیاں وصول کریں۔ پھر خلیفہ نے اپنے ایک ملازم کے ہمراہ سفر شروع کیا ۔ ایلیا(یروشلم) کے شہریوں نے آپ کی آمد پر آپ کا استقبال کیا ۔ پھر انہوں نے مشہور امن معاہدہ کیا ، جو کچھ یوں تھا:

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔اس معاہدے کے ذریعے سے اللہ کا بندہ، عمر اور امیر المومنین، ایلیاِ کے رہنے والوں کو ان کے مال، جائداد اور عبادت خانوں کی حفاظت کی ضمانت دیتا ہے۔ ان کے چرچ تباہ نہیں کیے جائیں گے۔

ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچایا جائے گا اور نہ ہی ان پر ان کی مرضی کے خلاف مذہب تبدیل کرنے پر کوئی جبر کیا جائے گا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نگرانی میں ،یہ ضمانت خلیفہ اور تمام مسلمانوں کی طرف سے ہے ۔ تب تک کہ دوسری طرف سے معاہدے کی پابندی رہے اور وہ جزیہ دیتے رہیں۔

فی الحقیقت یہ عمر ہی تھے جنہوں نے پہلی بار رومیوں کے غلبہ سے یروشلم کو آزاد کروایا تھا۔

۳۔ سپین میں اسلام:

ساتویں صدی میں سپین کے لوگوں کو کھلی آزادی دی گئی کہ وہ چاہیں تو اسلام قبول کر لیں جیسے آج ہزاروں لاکھوں لوگ اسلام قبول کر رہے ہیں۔ تاہم پوپ کے ایما پر ۱۴۷۹ میں پرنس فرڈینانڈ اور پرنس عیسی بیلا نے ناقابل یقین حد تک سپین کی خونی تاریخ کی تحقیقات شروع کر دیی۔ اس وقت ناقابل بیان ظلم اور قتل عام مسلمانوں اور یہودیوں پر کیا گیا تھا ۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ عیسائیت قبول کرو یا موت۔گراناڈا کی تباہی کے بعد مسلمانوں کا سپین میں آخری مضبوط مقام بھی کھو گیا اور مسلمان اس لاوارث جھنڈ کی طرح ہوگئے جس پر ہر طرف سے بھوکے بھیڑیوں نے حملہ کردیا ہو۔ ان کا قتل عام ہوا، غلام بنائے گئے یا تلوار کی نوک پر عیسائیت قبول کرنے کے لیے مجبور کیے گئے۔

اپنے مضمون "ون دا مورز رولڈ سپین" (When the Moors Ruled Spain) میں تھامس جے۔ ایبرکروبی نے مسلمانوں کے مغرب میں کام سے متعلق بہت سے حقائق واضح کیے ۔ اس نے مسلمان دور حکومت کی خوبصورتی کی طرف بھی اشارہ کیا کہ جہاں یہودی ، عیسائی اور مسلمان اکھٹے پر امن طور سے سات

صدیوں سے رہ رہے تھے۔پھر یک دم اس نے کیتھولک عیسائیوں کی بربریت کامختصر تذکرہ یوں کیا:

یہی وہ جگہ ہے جہاں الفونسو ششم کے کافی عرصہ بعد بڑھتے ہوئے عیسائی تعصب کا نشانہ بننے والےتباہ ہوئے۔ ۱۴۶۹ میں پرنس فرڈیننڈ اور پرنسز عیسی بیلا نے بیاہ کیا ۔ اور ساتھ ہی جنوب کی طرف کے مورز کے ساتھ جنگ شروع کردی۔ انہیں مسلمان اور یہودیوں سے اپنی سرزمین میں خطرہ محسوس ہونے لگا تھا۔ اس سے پہلے یہ سلسہ تھمتا اس سے تین صدیا ں بعدہزاروں مسلمانوں اور یہودیوں کو قتل کردیا گیا ۔ ایک اندازہ کے مطابق تین ملین لوگوں کو جلا وطن کر دیا گیا۔ جس میں کاروباری شخصیات، فنکار، کاشت کار اور سائنسدان تھے جس کا نتیجہ بعد میں سپین نے خود ہی برداشت کیا ۔[۳۱]

ارونگ (۱۹۷۳) میں اپنی کتاب دی فالکن آف سپین میں عیسائیوں اور یہودیوں کا مسلمان دور حکومت میں حال یوں بیان کیا ہے۔

نئے حکمرانوں کے ساتھ یہودی اور عیسائی امن کے ساتھ رہے۔یہودی تجارت اور صنعت کاری کی وجہ سے امیر تھے اور اب تیار تھے کہ اس ظلم کو جوپوپ کے تیار کردہ لوگوں نے ان پر ڈھائے تھے ، انہیں بھول جائیں۔مورز (ہسپانوی مسلمانوں) نے انہیں عزت کا مقام دیا اور اب وہ پڑھے لکھے، سائنس اور فن کو جاننے والے، مہذب اور روادار لوگ بن گئے تھے۔[۳۲]

اسی رواداری کی وجہ سے مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان اچھے تعلقات بنے۔مسلمانوں نے عیسائیوں کو آزاد رکھا کہ وہ اپنے فیصلے خود کر لیں۔گبن(۱۸۲۳) نے اس بات پر زور دیا ہے

[31] Thomas J. Abercrombie. When the Moors Ruled Spain. National Geographic, July 1988, P 96
[32] T. Irving. The Falcon of Spain. 1973 P 72

کہ سپین کی مسلمانوں نے اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے عیسائیوں اور یہودیوں پر کوئی ظلم نہیں کیا۔بلکہ ایسی رواداری سے ان کے ساتھ رہے کہ جس کی نظیر نہیں ملتی۔
امن اور انصاف کے دور میں عیسائیوں کو کبھی اس بات پر مجبور نہیں کیا گیا کہ وہ انجیل کو چھوڑ کر قرآن کو اپنا لیں۔[۳۳]

لیا، ایک عظیم تاریخ دان، اپنی کتاب "دی مورسکوس آف سپین " (The Moriscos of Spain)میں پوپ کی تقریر کی نشاندہی کی ہے جو پوپ کلیمنٹ ہفتم نے ۱۵۲۴ میں میں کی تھی۔

پوپ کو یہ پڑھ کر صدمہ ہوا ہے کہ ویلینسیا ، کیٹالونیا اور آرگون میں چارلس کے بہت سے مد مقابل مورز (مسلمز) ہیں ۔ کہ جن کے ساتھ کوئی ایمان والا (مسیحی ایمان والا) خطرے کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ اپنے آقاؤں کے ساتھ رہتے ہیں جو ان کو مسلمان کرنے میں زیادہ وقت ہی نہیں لگاتے ۔یہ سب مسیحی ایمان کے لیے مناسب نہیں اور یہ بادشاہ کی شان کے خلاف بھی ہے۔ اس کے علاوہ وہ افریقیوں کے لیے جن کو وہ مسیحیوں کی ساخت کے بارے معلومات دیتے ہیں ، کے لیے جاسوسی بھی کرتے ہیں۔ اس سب کے تناظر میں چارلس کو یہ نصیحت کی جاتی ہے کہ عدالتی تفتیش کنندگان ان تک کلام خدا پہنچائیں۔ اور اگر وہ اپنی ضد پر قائم رہیں تو تفتیش کار ان کے ساتھ کوئی شرط طے کریں کہ جس کی خلاف ورزی پر انہیں ہمشہ کے لیے غلام بنا لیا جائے گا اور بھیانک موت دی جائے گی۔ اور ان کی معبد خانوں کی کل جائداد کا دسواں حصہ ان سے وصول کیا جائے جو وہ اب تک نہیں دیتے تھے۔کلیسا کی ضرورتوں کو خداوند خود پوارا کرے گا لیکن مسجدوں کی کمائی کو وقف کیا جائے گا۔ اس دستاویز کے اختتام پر ہم باقاعدہ چارلز کو اس عہد

[33] E. Gibbon. The Decline and Fall of the Roman Empire VI, 1823, p 453

سے آزاد کرتے ہیں کہ جس کے تحت مورز کو جلاوطن نہیں کیا جاسکتا تھا۔[34]

اعلی سطح کی کیتھولک اتھارٹی کے ایسے مشورے نے سپین کے مسلمانوں پر غلامی اور عدم رواداری کی ناقبل بیان مثال رقم کی ہے:

مسلمانوں کی اپنی پسند ہے کہ چاہے تو وہ عیسائیت قبول کریں یا موت۔ مینیسس کے گاؤں نے جب ہتھیار ڈالے تو ان کو بیس بیس اور پچیس پچیس کے گروہ میں کلیسا لے جا کر بپتسمہ دیا گیا تاہم یہ واضح ہوگیا کہ وہ مذہب کی تبدیلی کے لیے رضامندی کا لحاظ نہیں رکھتے ۔[35]

جنہوں نے اس مذہب کی زور زبردستی کی تبدیلی کو قبول نہیں کیا انہوں نے بھیانک نتائج دیکھے۔

وہ سب ایک قریبی قلعہ میں اکھٹے کیے گئے اور قتل کردئے گئے۔[36]

یہ بات غیر مناسب ہوگی اگر یہ کہا جائے کہ آج کے سب عیسائی اس فعل کو قبول کرتے ہیں۔تاہم اس وقت کی اعلی سطح کی عیسائی اتھارٹیز نے ان امور کی کھلم کھلا حمایت کی تھی۔ آج کی عیسائی دنیا ان امور کے مخلصانہ رد سے کتراتے ہیں، انہیں چاہیے کہ اس کی ذمہ داری قبول کریں اور عمومی معافی مانگیں اور مسلمانوں اور اسلام سے متعلق غلط معلومات پھیلانے سے بعض آئیں۔

[34] H.C. Lea. 1901. The Moriscos of Spain. P 85
[35] Lea, p 63.
[36] Lea, p 64.

۴- کلونائزیشن کے دور میں عیسائیت:

کلیسا کے بہت سے رہنماؤں نے یہ بات ظاہر کی ہے کہ غیر مسیحی لوگوں کو اچھی زندگی جینے کا کوئی حق نہیں اور نہ ہی وہ اپنی مرضی کے مذہب کی پیروی کرسکتے ہیں۔ ایسے مفروضے بہتوں کے دماغ میں گھر کرچکے ہیں۔ اس سوچ کا واضح اظہار بشپ ونچسٹر ٹو ھنری دوم نے اپنی رائے میں کھل کر کیاہے۔

ان کتوں (مونگلز اور مسلمز)کو آپس ہی میں لڑ کر مکمل طور پر ختم ہونے دو۔ پھر ہم دیکھیں گے کہ عالمی کیتھولک چرچ کی بنیاد ان کے باقیات پر ہوگی اور پھر صر ف ایک ہی ریوڑ ہو گا اور ایک ہی چرواہا۔[۳۷]

یہ اس تیروہیں صدی کے کسی ایک پادری کا ہی نکتہ نظر نہیں بلکہ اوینجلسٹ عیسائیوں کی ایک نمایاں شخصیت زومر جو اوینجلسٹ عیسائیوں میں تقریبا ایک نبی کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے ، کہتا ہے:

ہمیں افریقہ، یورپ اور ایشیا میں مسلمانوں کی کم ہوتی سیاسی قوت کو اور کم کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ ہم تاہم یہ مانتے ہیں کہ کرسنٹ زوال پزیر ہوگا اور تب صلیب اپنی عظمت ظاہر کرے گی۔ مسلمان علاقوں میں اوینجلزم کے فروغ کے لئے اسلام کا ٹکرے ٹکرے ہونا ایک الہی عمل ہے۔[۳۸]

کوئی عیسائی اپالوجسٹ یہ کہ سکتا ہے کہ یہ فرد واحد کی رائے ہے اور وہ کوئی صِف اول اویجلسٹ بھی نہیں تھے۔ مگر زیومر حقیقت

---

[37] Stephen Neill. A History of Christian Missions. Penguin Books Ltd, New York, 1977, P. 118.
[38] Lyle L. Van der Werff. Christian Missions to Muslims. William Carey Library, California. 1977, P. 238.

میں ان میں سے ایک نمایا شخصیت ہے ۔جس نے مسلمانوں کو عیسائی کرنے کے پورے پلان کو مرتب کیا۔ کلوراڈو ۱۹۷۸ کی کانفرنس میں سینکڑوں وفود نے اس بات کی تجویز دی کہ زیومر کے نام سے آلٹانڈا اور کیلیفورنیا میں ادارے قائم کیے جائیں جن کا بنیادی مقصد مسلمانوں کے ایمان پر ضرب لگانا ہو۔مسلمان لوگوں کو دعوت دے سکتے ہیں فطرتی دین کی طرف، خدائے قادرومطلق کی، اوراس کائنات میں جو کچھ ہے اس کے خالق کی طرف، تمام انبیاء پر بشمول حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کی طرف۔
جبکہ عیسائی مشنریز انسانیت کی خدمت کے جھنڈے تلے ضرورت مند، بیمار اور لاچار لوگوں کے دل جیتنے کے لیے تمام ہربے اپناتی ہیں۔ مشنریز میڈیا کے ذریعے مسلمانوں کے بارے میں غلط معلومات پھیلاتے ہیں اور اسلام کے خلاف پراپوگینڈہ کرتے رہتے ہیں۔ ڈان ایم۔ ایم سی کری[۳۹] نے ذکر کیا ہے:

بعض دفعہ ہمیں اس الزام کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ ہم مسلمانوں میں سے عیسائی کرنے کے لیے مادی، تعلیمی اور صحت سے متعلقہ اپنے ذرائع استعمال کرتے ہیں۔[۴۰]

۵- یورپ میں اسلام:

ویسٹرن ورلڈ آرڈر کی بنیادوں اور اقدار کے بارے میں ادراک حاصل کرنے کے لیے ہمیں ہنٹنگٹن کے امور خارجہ میں دے گئے بیان پر غور کرنا پڑے گا جو اس نے، مسلمانوں کے اس الزام کہ ویسٹرن ورلڈ آرڈر متعصب اور دوگلا ہے ،کے متعلق دیا تھا۔

[39] A leading evangelist and the current director of Samuel Zwemer Institute.
[40] In Robert C. Petkept & R.L. Maccaba. Food and Healthcare as Means for Muslim Evangelism. The Gospel and Islam: A 1978 compendium. Don M. Mc. Curry (ed.). p. 826.

تہذیبوں کہ اس تصادم میں کوئی تردد نہیں کہ یہ دنیا دوگلی ہے۔ اپنوں اور اتحادیوں کے لیے معیار اور رکھا جاتا ہے اور دوسروں کے لیے اور۔[٤١]

اسی دوگلی پالیسی کا اطلاق مغربی دنیا نے بوسنیا، چیچنیا،فلسطین، آزر بائی جان اور دنیا کے دیگر مقامات پر کیا ہے۔ ہر غیر عیسائی معاشرے پریہ رویہ مغرب کی غیر جانبداری ثابت کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ویٹیکن کی سربراہی اور بوسنیا پر مسلط کیتھولک ملک،کروشیا، کی پشت پناہی پوپ خود کر رہے تھے ۔ چنانچہ ہنٹنگٹمن کے مطابق یوں ویٹیکن نے اپنی پہچان یورپی کمیونٹی میں کروائی۔[٤٢]

ہزاروں سینکڑوں لوگوں پر ظلم و جبر ہوا، نسل کشی کی گئی اور زنا بالجبر کے ایسے گھنونے واقعات سامنے آئے جن کی مثال نہیں ملتی۔اور اس سب معاملات کو ان ممالک کی طرف سے کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی جو آج نیو ورلڈ آرڈر کا نعرہ لگاتی ہیں۔
امن پسند اور محبت کرنے والے مسلمانوں کے لیے یہ ایک ایسا سانحہ اور شرم ناک حقیقت ہے جو معصوم لوگوں کے خون سے لکھی گئی تاریخی یاداشت ہے ۔ خاص طور پر اس بات کے مقابلے میں کہ اسلامی تعلیمات ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتیں کہ کوئی اپنے دشمن کے ساتھ ناانصافی کا رویہ روا رکھے۔ اسلام اس سب بربیت سے مبراء ہے جو شاید کوئی مسلمان جہالت کی بنیاد پر اسلام کے نام پر کررہا ہو۔

٦-برصغیر میں اسلام:

[41] Samuel Huntington. Clash of Civilizations. (Foreign Affairs. Summer, 1993, p 36
[42] Huntington. 1993 P. 37

اسلام سب سے پہلے ساتویں صدی میں برصغیر میں داخل ہوا۔ اور مسلمانوں کا غلبہ ہندوستان اور نواہی ملکوں میں تقریبا ۱۱۰۰ سال تک رہا ۔یہاں تک کہ ۱۸۵۷ میں برطانوی یہاں قابض ہوئے۔ اگر عیسائی طریقہ اختیار کیا جاتا اور عیسائی طریقہ کے مطابق بندوق کی نوک پر مذہب تبدیل کروائے جاتے تو برطانویوں کے آنے پر یہاں ایک بھی ہندو باقی نہ رہتا۔ تاہم اسلامی رواداری اور لوگوں کے حقوق کا خیال رکھنے کی روش یہاں ہندوستان میں ظاہر رہی ۔ قرآن میں رواداری و برداشت کو بنیادی اصول کے طور پر پیش کیا گیا ہے جسے پر سب کو عمل پیرا ہونے کی ھدایت ہے۔

ناصرف ہندوستان میں بلکہ دنیا کے دیگر علاقوں میں اسلام آیا اور انسانیت کو رنگ، نسل ، زبان کے امتیاز سے باہر نکالا اور ناانصافی اور تواہمات سے آزاد کیا۔ اس لئے خداکے سچے مذہب کو قبول کروانے کے لیے زبردستی کرنی ہی نہیں پڑی۔ درحقیقت یہ لوگوں کہ اس فہم پر منحصر ہے جو ان کو ان کے رب نے عطا کیا ہے کہ وہ فیصلہ کریں اور حق کو پہچانیں۔ یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی اسلام کی سچائی واضح ہوتی ہے تو ہزاروں لاکھوں لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔ لوگ اسلام اپنی مرضی اور منشاء سے قبول کرتے ہیں ، ان پر کسی قسم کا جبر کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ان میں بہت سے سائنسدان ہوتے ہیں، سیاستدان، وکیل، مشنری،مشہور شخصیات جیسے کیٹ سٹیون (موجودہ یوسف اسلام)، مشہور پاپ سنگر، ایم ہوف مین، موروکو میں جرمن کے سفیر، جنہوں نے حال ہی میں ایک چشم کشا کتا ب لکھی ہے جس کا عنوان ہے اسلام از دی آلٹرنیٹو،Islam is the Alternative، موریس بوکائل، ایک مشہور فرانسیسی سائنسدان جنہوں نے مذہب اور سائنس میں طویل تحقیق کے بعد اسلام قبول کیا، جو ان کی کتاب میں مخلص ہے، The Bible, The Quran and Science، سعودی عرب

میں موجودہ ڈینش سفیر، مسٹر اولسن، جنہوں نے ایک ریڈیو انٹرویو میں بیان دیا:

اگر لوگ اسلام کی حقیقت کو جان لیں تو لاکھوں لوگ اسلام قبول کر یں۔[٤٣]

لوگوں نے زندگی کے ہر شبے سے اسلام قبول کیا۔ اورایسے لوگوں کی فہرست طویل ہے ،اس کا یہاں ذکر ممکن نہیں ۔

۷-اسلام میں رواداری:

اسلام کا مطلب ہے اللہ کی مکمل اطاعت و فرمانبرداری۔ اس کا ایک خاص پہلو یہ بھی ہے کہ اس کے لیے زور زبردستی کرنا جائز نہیں بلکہ مرضی اور میلان قلب ہونا ضروری ہے۔ اسلام سب لوگوں کو بھائی بھائی کے طور پر قبول کرتا ہے چاہے کوئی شخص زندگی کے کسی شعبے سے تعلق رکھتا ہو یا کسی بھی رنگ و نسل کا ہو۔ اسلام فقط دوسرے مذاہب کے لوگوں کے عقائد کے لئے برداشت اور رواداری کا حکم ہی نہیں کرتا بلکہ اس کو ایک اہم دینی ذمہ داری قرار دیتا ہے۔

"دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت ضلالت سے روشن ہوچکی ہے،

اس لئے جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کرکے

اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جو کبھی نہ ٹوٹے گا

[43] The Islamic Magazine, The Quran radio Station 16/2/1415

اور اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے"

(القرآن ۲:۲۵٦)

درحقیقت صرف اسلامی تاریخ میں ہی لوگوں کو ان کے مذہبی حقوق دئے گئے ہیں۔ اور رواداری کی بلند ترین سطح پر جا کر ان کو ان کے مذہبی طریقہ کار کی پیروی کی اجازت بھی دی گئ۔ یہ رواداری کی عملی مثال ہے جو مسلمانوں نے اپنے غیرمسلم شہریوں کے ساتھ روا رکھی تھی۔

اس معاملے کا ایک اور پہلو بھی ہے جو کسی قانوں میں لکھا نہیں پایا جاتا اور نہ ہی کسی حکومت یا عدالت کی طرف سے لاگو کیا جاتا ہے۔ وہ ہے رواداری کی اصل روح ، جو اچھے رویوں اور شفیق سلوک،ہمسائے کے لیے عزت اور احترام ،رحم ، وفا اور ہمدردی جیسے تمام جذبات میں عیاں ہے۔ ان سب جذبات کا عملی اظہار ہر مسلمان سے مطلوب ہے جو کسی قانونی یا عدالتی دباؤ سے ممکن نہیں۔ رواداری کی اصل شکل اگر کہیں نظر آتی ہے تو صرف اسلام میں اور اگر کہیں اس کا عملی اظہار کیا گیا ہے تو وہ ہے خالص اسلامی معاشرہ۔[٤٤]

بہت سی قرآنی آیات اس بات پر زور دیتی ہیں کہ غیر مسلمانوں کے ساتھ جب کوئی معاملات کیے جائیں تو وہ عدل و انصاف اور عزت و توقیر پر مبنی ہوں ۔ خصوصا ان غیر مسلموں کے ساتھ جو مسلمان معاشرے میں امن سے رہتے ہیں اور نفرت نہیں پھیلاتے ۔

"جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلاوطن

[44] Yusuf Al Qaradawi. Non-Muslims in the Islamic Society. (Tr. By K. M. Hamad and S. M. A. Shah) American Trust Publication, Indianpolis,1985 p 28

نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ

تمہیں نہیں روکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"

(القرآن ٨:٦٠)

"اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین، یتیم اور قیدیوں

کوہم توتمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے کھلاتے ہیں

نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ شکر گزاری"

(القرآن ٨,٩:٧٦)

یہ عین ممکن ہے کہ مسلمانوں کا بہت سے مذہبی عقائد یا نظریاتی نظاموں سے اختلاف ہو مگر مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اچھے اخلاق اور باوقار انداز میں اختلاف رائے کریں۔

"اوراہل کتاب کے ساتھ بحث ومباحثہ نہ کرو مگر اس طریقہ پر

جو عمدہ ہو مگر ان کے ساتھ جو ان میں ظالم ہیں اور صاف اعلان کر دو کہ

ہمارا تو اس کتاب پر بھی ایمان ہے اور جو ہم پر اتاری گئی ہے اور اس پر بھی

جو تم پر اتاری گئی، ہمارا تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ ہم سب اسی کے حکم برادر ہیں"

(القرآن ٢٩:٤٦)

اس پس منظر میں ایک سوال اٹھا یا جانا مناسب ہےکیا دیگر مذاہب کے لیے رواداری اور برداشت رکھنا کوئی ایسی صوابدید کی بات ہے جو مسلمانوں پر چھوڑی گئی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ رواداری کی قرآن اور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات میں بنیادی اور نظریاتی اساس ہےجو کسی فرد یا ادارے کی مداخلت سے مشروط نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اسلام کا ایک مستقل قانون ہے جو وقت اور حالات دیکھ کر بدلتا نہیں ہے۔ قرآن مجید کے مطابق ہر انسان قابل قدر ہے، اللہ نے سب کو عزت سے نوازا ہے۔

"یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی

سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دیں اور

اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی"

(القرآن ١٧:٧٠)

اسلام اللہ سبحانہ و تعالی کا نازل کردہ آخر ی مذہب ہے اور یہ مذہب انسانیت کے لیے ایک عالمگیر سچائی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے عقائد و نظریات کسی بھی للکار کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اسی لیے مذاہب کی کثیر تعداد میں عقل و فہم کی بنیاد پر فیصلہ کرنا انسان پر چھوڑا گیا ہے۔ اس طرح کے اصول کی وضاحت قرآن ان الفاظ میں کرتا ہے:

"اللہ تعالیٰ، فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ

کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عدل کو قائم رکھنے والا ہے،

اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں

بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے، اور اہل کتاب نے اپنے پاس علم آجانے کے بعد آپس کی سرکشی اور حسد کی بنا پر ہی اختلاف کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ جو بھی کفر کرے اللہ تعالیٰ اس کا جلد حساب لینے والا ہے"

(القرآن ۳:۱۸,۱۹)

"اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے، تو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کرسکتے ہیں یہاں تک کہ وہ مومن ہی ہوجائیں"

(القرآن ۱۰:۹۹)

اسلام میں ناانصافی کو ایک بڑا گناہ تصور کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے لوگوں پر ان کے مختلف مذہب ہونے کی بنیاد پر ہر قسم کے ظلم کی مذمت کی گئی ہے اور وہ ہرگز قابل قبول نہیں۔ حضرت محمدﷺ نے فرمایا:

"مظلوم کی دعا ، چاہے وہ کافر ہی ہو، اللہ پاک بغیر کسی پردے کے سنتے ہیں۔"[۴۵]

۸۔ اختتامی تبصرہ:

اس بحث کو سمیٹتے ہوئے ، کہ عدم برداشت ان مذاہب، ہندو مت، عیسائیت اور یہودیت کے نمائندگان کامستقل شیوہ رہا ہے۔ اور بعض

[45] Related by Imam Ahmad in his Musnad. As reported in Al-Qaradwi 1985

دفعہ ان کی کتابوں میں اس کی تعلیم تک دی گئی ہے۔ یا تو یہ اس کے ذریعہ سے انسانیت کے ایک حصہ کو مرحوم کر دیتے ہیں یا اس کو ان پر ظلم اور جبر کے جواز کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ قبول کرو یا مرو ، یہی دو باتیں عیسائی یا ھندو غیر عیسائی یا غیر ھندوکے سامنے رکھتے تھے ۔ مگر اسلام کہ ادوار حکومت میں لوگوں کو اپنے مذہب پر چلنے کی مکمل آزادی ہوتی تھی ۔ جیسا کہ سپین میں یہودیوں کو امن حاصل تھا۔

لوگوں کی مجبوریوں اور لاچاری سے فائدہ اٹھا کر ان کے نظریات تبدیل کروائے جاتے تھے۔ سٹیفن نیل نے اس غیر انسانی رویہ کے مستقبل کو یوں بیان کیا ہے:

مشنری لیوگری جب الجیریا میں آئے تو آمد کے کچھ عرصہ بعدہی ہیضے کی وبا پھیل گئی ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قحط پڑ گیا۔ اور اس کو موقع ملا کہ ۱۸۰۰ یتیموں کو اکھٹا کرے اور وہ فرانسسی عہدداروں سے اجازت پاتے ہی ان کو عیسائیت میں داخل کرے۔اور ان کو عیسائی تعلیمات سکھلائے اور ان کو عیسائی علاقوں میں پناہ دے سکے۔ اس طرح کے امور سے دوسرے ممالک میں مشنریوں کا حوصلہ بھی بڑھا اور انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔وہ بچوں کو بطور غلام خریدنے لگے اور ان کو عیسائی جھتوں میں شامل کرنے لگے۔[٤٦]

نیل نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے حقائق سے پردہ اٹھایا اور بتایا کہ کتنے مجبوروں کے جسم اور ایمان خریدے گئے۔وہ کہتے ہیں کہ:

[46] Stephen Neill. A history of Christian Missionaries. Penguin Books 1979, p 42-429

بچوں کی خرید و فروخت کا یہ سلسہ اس حد تک جاری رہا کہ ایک مشنری ایک مخصوص علاقے میں سن ۱۹۰۲ تک ۲۵۰ ایسے فارمز قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا جہاں ۵۰۰۰ غلام بچے تھے۔[47]

سیگریڈ ہنکی ایک عظیم جرمن فلسفی اور مورخ نے اپنی کتا ب Allah ist ganzمیں اولیورز کے ایک خط کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (اولیورز ایک الہایاتی فلسفی تھا جس نے ۱۲۲۱ میں سلاہدین کو ایک خط لکھا جس میں اس نے صلیبیوں کی گرفتاری کے بعد ان سے روا رکھے جانے والے حسن سلوک کی تعریف کی)۔

صدیوں سےظالم دشمن کے لیے رحم اور حسن سلوک کی ایسی مثال کسی نے نہیں دیکھی۔ جب خدا نے چاہا ہم تمھارے قدموں میں گر گئے اور تمہیں ظالم جابر نہیں پایا۔بجائے اس کہ ہم تمہیں شفیق باپ کے طور پر دیکھتے ہیں کہ جو اپنی رحمت اور شفقت ہم پر ہمارے برے وقت میں کر رہا ہے۔ اور اس میں کون شک کر سکتا ہے کہ یہ رحمت اور شفقت اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ وہ لوگ جن کے ہم نے والدین ، بیٹوں ، بیٹیوں،بھائیوں اور بہنوں کو مارا اور بدترین تشدد کیا۔ لیکن جب ہم ان کے قیدی بنے تو انہوں نے ہر ممکن حد تک ہم سے اچھا رویہ رکھا اور ہمیں بھوک سے بچایا اور ہمیں اپنے آپ پر تب ترجیح دی جب ہم لاچار و بے بس تھے۔[48]

ہنکی مزید واقعات بیان کرتی ہے ۔ بربریت کے ان واقعات کا ذکر جو صلیبیوں نے فلسطینی مسلم شہریوں پر ظلم و جبر کرتے ہوئے رقم کیے، جن کا تصور محال ہے۔ ان میں سے ایک واقعہ کینگ ریچرڈ ، دی لائن ہارٹ ، کا ہے کے جس نے اپنے تاج کی تضحیک اس وقت کی جب اس نے ایک معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے تین ہزار

[47] Neil, 1979. P.429

[48] Sigrid Hunke, Allah ist ganz anders. SKd Bavaria Verlag & Handel Gmbh: Munchen, p 25 (It was the authors translation from the Arabic version into English)

قیدی مسلمانوں کو ذبح کروا دیا۔ فرانسسی بادشاہ نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔[49]

مندرجہ ذیل میں نامور امریکی دانشور ، پروفیسر ایل ایسپوزٹو ، کے آرٹیکل کا کچھ حصہ دیا جارہا ہے جس میں انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی رواداری کا خلاصہ بیا ن کیا ہے۔

عیسائی اور یہودیوں کے ساتھ اہل کتاب کی طرح برتاؤ کیا گیا۔ریاست سے وفاداری اور ٹیکس دینے والے ذمی لوگ اپنے مذہب کی پیروی کر سکتے تھے اور ان کے معاملات ان کے مذہبی رہنما ہی دیکھتے تھے اور انہی کے مذہبی قانون کو ان کے معاملا ت اور نجی زندگی کے مسائل میں سامنے رکھا جاتا تھا۔[50]

پرنس چارلز نے آکسفورڈ سنٹر فار اسلامک سٹڈیز میں بڑی بے باکی سے اسلام اور مغرب کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے کہا۔

قرون وسطی میں اسلام کی رواداری نمایا تھی۔ جہاں یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنے عقائد کی پیروی کرنے کی اجازت تھی۔انہوں نے ایک ایسی مثال قائم کی تھی کہ جس کو آج مغر ب اپنانے میں ناکام ہے۔[51]

اسلام نے عیسائیوں اور یہودیوں کو سامراجی عیسائیت سے زیادہ آزادی دے کر ثابت کر دیا کہ اسلام ہی سب سے زیادہ روادار مذہب ہے۔ بہت سے مقامی کلیسا پر بیرون ملک کے آرتھوڈکس کلیسا نے بدعتی کا الزام لگا کر ظلم و جبر کیا۔ اسلام ایک عالمگیر نظام ہے جو بجائے ظلم اور جبر کرنے کے ،لوگوں کے مختلف پس منظر

---

[49] Hunke, p 25-26

[50] John L. Esposito. Islam and Christianity Fact to Face: An old conflict and prospects for a new ending. Common well. January 31st, 1997, P.12

[51] Prince Charles, “Islam and the West”, Arab News, October27, 1993. In R. Hill Addulsalam. Women’s Ideal Liberation. Abul Qasim Publishing House: Jeddah, pp 41-43

اور سوچ کا محافظ ہے اور ان کے حقوق کا خیال رکھتا ہے۔ اور اس بات پر زور دیتا ہے کہ یہ واحد حق ہے اور یہی منطقی دلیل ہے۔
ٹریٹن نے اسلام کے اس خوبصورت جزو یعنی رواداری کی ان خوبصورت الفاظ میں تحسین کی ہے۔
مسلمان مجاہد کا ایسا خاکہ بلکل غلط ہے کہ جس میں اس کے ایک ہاتھ میں تلوار ہے اور دوسرے ہاتھ میں قرآن ہے۔[۵۲]

صرف اسلام ہی ہے جس کے عمل اور تعلیمات سے رواداری ایک بنیادی اور ناقابل فراموش جزو کے طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ اس سے علاوہ کہ مسلمانوں کے کسی گمراہ گروہ نے تاریخ میں کچھ ایسا کیا ہوا ، جس کا ذکر تاریخ میں بہت کم ہے۔ صرف خدا ہی کی بات ہمشہ رہنے والی ہے۔ جیساکہ میں نے اسلامی رواداری کی مثالیں زیادہ تر غیر مسلم لکھاریوں ہی سے دی ہیں۔ اسلام کی رواداری کی نظیر کہیں اور نہیں ملتی۔ اسلام ہی ہے جو حق کے نظام اور حق کے کلام ہونے کا دعوی کر سکتا ہے اور جو جوں کا توں کلام الہی کے طور پر محفوظ ہے یعنی "قرآن مجید"۔ اس رواداری نے انسانی عقل کو اعلی علمی مباحث کے لیے میدان عطا کیا ہے اور یہی میرے اگلے حصے کا عنوان ہے۔

[52] As Trittonin Islam. " 1951. In Http://web.ionsys.com/~remedy/Islam%20and%20the%20Prophet%20God.htm

فصل ثالث

عالمگیریت اور سائنس کا فروغ

کتا ب کے اس حصہ میں ہم دو باتوں کا جائزہ لیں گے ایک تو عصر حاضر میں رائج زندگی گزارنے کے طور اطوار اور دوسرا اس بات کی تحقیق کریں گے کہ کون سا نظام زندگی ترقی اور بہتر معیار زندگی کا مددگار ہے۔اس سے ہمیں اس بات کو سمجھنے میں بھی مدد ملی گی کہ کون سا نظام زندگی ترقی اور تمدن کی راہ میں رکاوٹ ہے یا کون سا نظام زندگی اخلاقیات اور اقدار کے فروغ کو ترجیح نہیں دیتا کہ جس سے انسان کی معاشرتی اور نفسیاتی بھلائی مشروط ہے۔ اگر ہم عالمگیر نظام کی کامیابی چاہتے ہیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہماری ضرورتوں کو پورا کرے اور ان کو متوازن کرے تاکہ انسان کا دماغ افراط و تفریط سے محفوظ رہے۔

۱- بدھ ازم، ہندو ازم اور سائنس :

اگر ہم بدھ ازم کو نظام زندگی کے طور پر جانچتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اصلا د بدھ ازم کا مطلب ہے کہ مکمل طور پر وقف ہو کر مورت کی پوجا پاٹ کی جائے اور اپنا سارا وقت تنہائی اور اردگرد کی دنیا سے الگ ہوکر گزارا جائے، جو مکمل طور پر زیادتی ہے۔ آدمی کو بدھ ازم کے مطابق برائی کا سرچشمہ سمجھا جاتا ہے۔ اور اگر وہ راستبازی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ اس دنیا سے مکمل طور پر الگ تھلگ رہے۔ اس طرح کا فلسفہ اپنے پیروکاروں کے لیے کبھی بھی دلی سکون کا باعث نہیں بن سکتا۔

ھندو ازم اور بدھ ازم دونوں مذاہب میں اس دنیا کو برا سمجھا جاتا ہے اور نجات کا واحد راستہ اس دنیا سے الگ تھلگ ہونے میں مضمر ہے۔ مزید براں یہ دونوں مذاہب شخصی نجات کا تصور پیش کرتے ہیں اسی لیے وہ اس کی تعریف شعور کی ایک خاص حالت کے طور پر کرتے ہیں، جو کہ صرف ذاتی ہی ہو سکتی ہے۔ بیرونی دنیا سے میل ملاپ کو برائی تصور کیا جاتا ہے۔[۵۳]

ہندوؤں کی طرف سے ریاست، تمدن یا کوئی خاص انسانی کمیونٹی کے لئے جو بھی نظام متعارف کروایا گیا ہے وہ اپنی مذہبی تعلیمات سے بے اعتنائی برت کر ہی ترتیب دیا گیا ہے۔ ہندو سیاسی جماعتوں کا ہندوستان کی سیاسیت میں بڑا اثر و رثوق ہونے کے باوجود ہندوستا ن کا نظام حکمرانی جہوریت ہے۔

میرے مطابق زندگی کے متعلق ایسے نظریات رکھنے والا نظام ہماری آج کی دنیا کے قابل نہیں ہوسکتا کہ جہاں ٹیکنولوجی ہماری زندگیوں کا اٹوٹ حصہ بن چکی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صنعتی ترقی کی وجہ سے ہمارے معاشرے اور صحت کے میدان میں نا چاہے اثرات نموندار ہورہے ہیں۔ ایک جدید دوہرے تمدن کا معاشرہ دوسری حد پر ہے کہ جو انسان کو ہر سطح پر بے روک آزادی دیتا ہے چاہے وہ لوگوں سے متعلقہ ہو یا قدرت سے وابستہ ہو۔ اس کا اندازہ جنیات اور ماحولیات کے میدانوں میں تباہی کا مشاہدہ کر کے لگایا جاسکتا ہے۔ متجددین کی آنکھوں پر مادیت کی پٹی ایسی بندھی ہے کہ جس نے اخلاقی، معاشرتی اور حفظان صحت کے معاملات کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا ہے اور انسانیت کو ناقبل تسخیر نقصان پہنچا رہے ہیں۔ ہمیشہ مادی فوائد والے حل ہی پیش کیے گئے ہیں جو شاید ہی کبھی کامیاب ہوئے ہوں۔

[53] Al-Faruqi, 1404, P. 101

ایڈز، کینسر، غربت، ناخواندگی، نشہ اور شراب کا استعمال اور دیگر معاشرتی مسائل شدید تیزی سے پنپنے لگے ہیں۔ اقدار اور اخلاقیات کو داؤ پر لگا کر مادی فوائد حاصل کرنا اب مقصد حقیقی بن گیا ہے۔ تاہم دنیاوی معاملات سے ہر طرح کی بے اعتنائی برت لینا بھی انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ ان حالات میں ایک ایسے نظام کی شدید ضرروورت ہے کہ جو نہ تو ایک لالچی مادہ پرست اقلیت کا نظام ہو اور نہ ہی غیر فطری طور سے دنیا سے بلکل ہی الگ تھلگ کرنے کا نظریہ رکھنے والا نظام ہو بلکہ انسان کی سائنسی اور تکنینی ضروریات میں توازن برقرار رکھنے والا ایک متوازن نظام زندگی ہو۔

۲-اسلام اور سائنس:

اسلام نے اس دوہری کشمکش کا انتہائی معتدل راستہ دکھایا ہے۔ انسان کو اس بات سے نہیں روکا گیا کہ وہ اپنی زندگی سے لطف اندوز ہو چہ جائے کہ دوسروں کے حقوق کی پامالی ہوتی ہو۔

"اے اولاد آدم! تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔

اور خوب کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو۔ بےشک اللہ حد سے نکل جانے

والوں کو پسند نہیں کرتا۔آپ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے

اسباب زینت کو، جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے اور کھانے

پینے کی حلال چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ

یہ اشیا اس طور پر کہ قیامت کے روز خالص ہوں گی اہل ایمان کے لئے،

دنیوی زندگی میں مومنوں کے لئے بھی ہیں۔ ہم اسی طرح تمام آیات

کو سمجھ داروں کے واسطے صاف صاف بیان کرتے ہیں"

(القرآن ۳۱-۳۲:7)

ایسا کوئی بھی نظام جو انسانی ضرورت سے وابستہ سائنسی اور تکنینی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے وہ اس قابل نہیں ہوسکتا کہ اس کو عالمگیر نظام زندگی کے طور پر اپنایا جائے۔ اسلام اس معاملے میں ممتاز حیثیت کا حامل ہے کیونکہ اسلام ہر میدان میں علم و ترقی کے دروازے ہمیشہ کھلوے رکھتاہے۔ مسلمان تب تب سائنس کے میدان میں ترقی نہیں کرتے جب جب وہ اسلامی تعلیمات کو پس پشت ڈالتے ہیں۔ مستشرقین اور نوآبادکاروں نے اس حقیقت کو دریافت کیا اور مسلمانوں کو ترقی کے حقیقی ذرائع سے بدحواس کردیا۔ بہت سے مورخین نے ایسے حقائق کو نوٹ کیا جن میں فلپ ہٹی نے الخوارزمی (میتھ ،حساب کے ایک نامور مسلم سکالر)کے بارے بات کرتے ہوئے کہا کہ:

سائنسیٔ اذہان میں سے ایک سب سے ذہین شخص الخوارزمی ایسا شخص ہے کہ جس نے بلا شک و شبہ قرون وسطی میں حساب کے میدان میں سب سے زیادہ اثر ڈالا ہے۔[٥٤]

---

[54] Philip K. Hitti. Precis deHistorie des Arabes. (Short History of the Arabs). Payot, Paris, 1950

ایک فرانسسی سائنسدان ایم چارلز، ایک اور مسلم ریاضی دان بنام البطانی کے بارے کہا کہ:

البیطانی ہی وہ پہلے ریاضی دان تھے جنہوں نے sineاور cosineکو اپنے کام میں متعارف کروایا۔ انہوں نے جیومٹرک کیلکولس کو بھی متعارف کروایا اور اس کو extended shadow کا نام دیا۔ بعد ازاں جدید ٹرگنومٹری میں اس کو tangent کہا جانے لگا۔[۵۵]

مورخین اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جدید سائنس مسلمانوں کی سائنس کے مختلف میدانوں میں کی جانے والی ایجادات کی مقروض ہے۔ جیسے اسفو ریل (۱۸۴۶) نے لکھا :

دو تہذیبوں کا تعلق ، عیسائیت اور مسلمان، دو راہداریوں کی وجہ سے قائم ہوا۔ ایک راستہ تو عمومی تھا اور دوسرا غیر معمولی ۔ یعنی ایک تجارت کا اور دوسرا زیارت (و حج) کا ، جس نے کلیدی کردار ادا کیا۔ گیارہویں صدی سے پہلے مشرق اور مغرب کے درمیان آمدو رفت اپنے عروج پر تھی۔ یہ سپین تھا اور جنوبی فرانس کہ جہاں سے سیدھا اسلامی تہذیب یورپ میں داخل ہوئی۔[۵۶]

گیارہویں صدی کے وسط ہی میں اسلامی تہذیب سپین میں غلبہ حاصل کر چکی تھی۔ ہسپانوی سائنس اور ادب تک رسائی کے لیے صرف عربی کو ہی واحد زریعہ سمجھتے تھے۔ یہ اتنی اہم تھی کہ کلیسا کے عہدداران نے شرعی فتاوی و وقوانین کو قدیم رومی زبان میں ترجمہ کیا کیوں کہ مسلم سپین میں صرف دو ہی زبانیں رائج تھیں۔ عیسائی سپین نے مسلمانوں کی اس عظمت کا اعتراف کیا۔ تقریبا ۸۳۰ میں ایل فونس دی گریٹ، کنگ آف آسٹرینز نے دو

[55] M. Charles. Apercu historique des methods en geometrie. (Historical Outline of Geometrical Methods).In Bammate
[56] In Haidar Bammate. Muslim Contribution to Civilization. American Trust Publilcations, 1962. P 16

ہسپانوی مسلم سکالرز کو اپنے بیٹے اور بھتیجے کی تعلیم پر معمور کیا۔

قرآن بائبل اور جدید سائنس میں لمبی اور گہری تقابلی تحقیق کے بعد، نامور فرانسیسی سائنسدان اور فرنچ سائنٹیفک اکیڈمی کے رکن نے قرآن اور ان نئی دریافتوں میں کسی قسم کا کوئی ٹکراؤ نہیں پایا۔ بلکہ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ قرآن ان دیکھی دنیا کے احوال کو بلکل درست انداز میں بیان فرماتا ہے۔

قرآن سے پہلے دو کلام وحی اور بھی ہیں مگر قرآن تضادات سے پاک ہے۔ انجیل میں انسانی رد و بدل پائی گئی ہے۔ اور قرآن اپنی خوبیا ں ان پر منکشف کرتاہے جو اس کو حقائق کی بنیا د پر اور سائنس کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ مراد اس کا جدید سائنسی معلومات سے ہم آہنگ ہونا ہے۔ مزید براں کہ اس میں بعض ایسے جملے پائے جاتیں کہ جن کا تعلق سائنس سے ہے اور اس بات کا تصور کرنا بھی محال ہے محمد (ﷺ) کے دور میں بیٹھ کر کوئی شخص ان کو تصور بھی کر سکتا ہے۔ تاہم جدید سائنس کی بدولت آج ہم قرآن کی بہت سی آیات کو زیادہ اچھے سے سمجھ سکتے ہیں جن کی تشریح اب تک ناممکن تھی۔[۵۷]

۳۔ مسلمانوں کے علوم کا یورپ پر اثر:

سائنس کے میدان میں مسلمانوں کا نام دور دراز تک پھیلا ہوا تھا۔ اور سائنسی میدان کے مغربی اذہان کو اندلس، سسلی اور جنوبی اٹلی کی طرف متوجہ کرتا تھا۔ اسی قرون وسطی کے دور میں جب مسلمانوں کی تہذیب عروج پر تھی تو دوسری طرف عیسائی دنیا

[57] Moris Bucaile. The Bible, the Quran and Science. 4th edition, p 268

مکمل طور پر سیا ہ اور تاریک دور سے گزر رہی تھی۔(ڈارک ایجز)۔ فلپ ہٹی لکھتے ہیں:

کسی قوم نے انسانیت کی ترقی میں اس قدر اپنا کردار ادا نہیں کیا جتنا کہ عرب اقوام نے اداکیا ہے۔ اس سےمرادیہ صرف جزیرہ نما عرب ہی نہیں بلکہ ہر وہ قوم جس کی مادری زبان عربی ہے۔ کیونکہ صدیوں تک متمدن دنیا میں عربی ہی سیکھنے سکھانے ، تعلیم و تدریس، تمدنی اور ذہنی ترقی کی زبان رہی ہے سوائے مشرق بعید ۔ نویں اور بارہویں صدی میں فلسفہ، طب، تاریخ، مذہب، جغرافیہ اور علم فلکیات کے میدانوں میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ عربی زبان سے زیادہ کسی اور زبان میں نہیں لکھا گیا۔[58]

مسلمانوں ہی کی سائنس اور علوم کی ترویج میں کی گئی ترقی کی بدولت آج سائنس اور ٹیکنالوجی نے یہاں تک ترقی کی ہے۔ الندوی نے اس پر یوں تبصرہ کیا ہے:

مسلمانوں کے اسلامی اور سائنسی اثر ہی کی بدولت یورپ میں آج علم کا طوفان بپا ہے۔ یورپ کے مفکرین اور سائنسدانوں نے ذہنی قید کی بندشوں کو توڑا۔ اور انہوں نے زور بازو پر مابعدالطبعیات کے نظریا ت کی نفی کردی جبکہ ان کے دلائل بھونڈے تھے اور اپنی تحقیقات کا پرچار کرنے لگے۔ جوابا پاپائیت نے ظلم اور جبر روا رکھا۔[59] انہوں نے بدعتیوں کے تعین کے لیے، ان کو کتاب پر واپس لانے کے لیے گھروں ، غاروں ، گلیوں ، کھیتھوں میں گھاتیں لگائیں۔ اس روش نے اپنا اثر اس وحشی انداز میں دکھایا کہ ایک عیسائی ماہر علم الہیات یہ پکار اٹھا کہ آدمی کا اب عیسائی رہنا ممکن نہیں ۔ ایک اندازے کے مطابق ۱۴۸۱ سے لے کر ۱۸۰۱ تک

---

[58] Philip K. Hitti. Pre,cis d Historie des Arabes. (Short History of the Arabs) Payot, Paris, 1950

[59] How can the things and writings of those clergymen be accepted as the basis of today's Christianity?

اس وحشی روش نے چالیس ہزار تین سو لوگوں کو سزا ئیں دی۔ جن میں سے بتیس ہزار کو زندہ جلایا گیا۔ جن میں نامور سائنسدان برونو ہے جس کا جرم یہ تھا کہ وہ plurality of the worlds کی تعلیم دیتا تھا۔برونوں کو سیکیولر حکمرانوں کے پاس نرم ترین سزا کے لیے بھیجا گیا کہ جس میں خون نہ بہئے، جو درحقیقت زیادہ قبیح طریقہ ہے یعنی جلانا۔ گلیلو ایک اور بڑا سائنسدان جو کتاب کے مخالف اس بات کا پرچار کرتا تھا کہ زمین سورج کے گرد چکر لگاتی ہے، اس کو بھی سزا دی گئی۔[٦٠]

ڈریپر کے مطابق اس کی کتاب history of conflict between religion and science میں کلیسا کی ذہنی جمود اور اس کی عدالتوں کے جبر نے یورپ کے قابل ذکر طبقہ کو نا صرف چرچ اور پاپائیت کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے پر اکسیا بلکہ انہوں نے اس حق سے بھی انکار کر دیا جو کلیسا کی شرارت سے ابھی تک محفوظ تھا۔[٦١]

۴۔ جدید سائنس کی سطحیت:

سائنس کے علوم جو اسلام نے مغرب کو دیے وہ زیادہ تر اللہ کی تعلیمات کے مطابق تھے۔ تاہم چودہ صدیوں سے مغربی معاشرت نے اسلامی سائنسئ روایت سے   انحراف ہی کیا ہے۔ اسلام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ لوگ اس بات کاخیال کریں کہ وہ جو بھی سائنسی ایجاد کریں گے وہ لوگوں کے حق میں فائدہ مند ہو اور قدرت کو نقصان پہنچانے والی نہ ہو۔ اسلام ایک اور بات کا تقاضا کرتا ہے

---

[60] Al Nadawi, P127

[61] Detailed Information about this topic is found in J.W. Draper. History of the Conflict between Religion and Science. London, 1927

اور وہ یہ ہے کہ سائنس کو خدا نہ سمجھا جائے۔ اس کی بہت سیدھی وجہ یہ ہے کہ ہمارا علم محدود ہونے کے ساتھ ساتھ اندازہ اور قیاس پر مبنی ہوتا ہے اسی لیے ہماری سائنس بھی محدود ہے۔
محمد قطب لکھتے ہیں:

سائنس کا خدا انتہائی ناپائدار ، رخ بدلتا اور ہمیشہ اپنے مقام سے پھرتا ہے۔ اور جس چیز کو آج حقائق اور اٹل حقیقت کے طور پر پیش کر رہا ہے کل ہی اس کا رد کر کے اسے غلط قرار دے دیتا ہے۔ نتیجہ اس کے چاہنے والے ہمیشہ بے سکونی اور بے چینی کا شکار رہتے ہیں۔ وہ ایسے مکار خدا کے ہوتے ہوئے ذہنی سکون کیسے حاصل کرسکتے ہیں؟ جدید مغرب اسی کشمکش اور بے چینی کا شکار ہے جس کی وجہ سے جدید معاشرت میں نفسیاتی بیماریوں کا سیلاب امنڈ آیا ہے۔

انہوں نے مزید کہا:

جدید سائنس کی ان خرابیوں کی وجہ سے ایک نتیجہ اور نکلا ہے اور وہ یہ ہے کہ جدید دنیا میں رہنے والوں کی زندگی بے مقصد ہوگئی ہے۔قوتوں کے درمیان ٹکراؤ اور بے چینی ہی آج کا قانون بن گیا ہے۔ نتیجہ اس دنیا کی ہر چیز تبدیل ہورہی ہے۔[٦٢]
سائنس کے بے جا استعمال نے زندگی کے ہر شعبہ کو متاثر کیا ہے جیسے سیاسی ، معاشی ، تعلیمی ، صحت بلکہ یہاں تک کے سائنسی حقائق کی دنیا کو بھی متاثر کیا ہے۔ یہ سب معاملات انسان کو ایک ایسے نظام کی تلاش کے لیے ابھارتے ہیں کہ جہاں وہ سکون، امن اور تضادات سے آزادی حاصل کرسکے۔

[62] Muhammad Qutb. Islam and Crisis of the Modern World. Islam its meaning and Message. Khushid Ahmad. The Islamic Foundation, London, 1980, P 244

بے قابو سائنس کی ایک مثال پورے امریکہ میں سیاہ فام لوگوں کے بارے میں تعصب ہے۔ جھوٹے سائنسی تعصب اور لاطینی امریکیوں میں سماجی انجئنئرنگ کے خیالات ،جنہیں سفید حلقوں نے سیاہ فام لوگوں کی قبولیت کا جز وقرار دینے کی کوشش کی۔فرانسسی فلسفی آگسٹ کوم کے پیروکاروں نے اس بات کو محسوس کیا کہ افریکی لوگوں کو جدید تکنیی منہج سے دور رکھ کر انہیں نظر انداز کیا جارہا ہے۔ ڈارون کے سماجی نظریہ کو ماننے والوں کے نزدیک سیاہ فام لوگ سماج میں بنیادی طور پر کمزوری کا نشان ہیں اور وہ گوروں کو قدرتی طور پر برتر تصور کرتے ہیں۔ ٦٣

۵۔ اسلام سائنس اور ترقی کا حامی کیوں ہے؟

ایسا کیوں ہے کہ اسلام ہی وہ واحد نظام زندگی ہے جو انسانی زندگی میں ترقی اور اردگرد کی دنیا میں کھوج کو ترویج دیتا ہے؟ وہ تخصص جو اسلام کو دیگر ادیان سے ممیز کرتا ہے اس کی وجہ سے گب (ایک نامور مستشرق) نے لکھا ہے:

کوئی بھی گروہ جو ایک معاشرہ تخلیق کرتا ہے اس کا دارومدار اس کے بنیادی عقائد پر ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک کائنات ، قدرت اور اس کے اندر روح کا مقصد کیا ہے۔ یہ ایک بہت عام تعلیم ہے جس کا ہر ہفتہ بعد مسیحی سٹیج سے پرچار کیا جاتا ہے۔ لیکن اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے مسلسل اس اصول کو اپنائے رکھا اور اس پر ایک معاشرہ قائم کرنے کی جدوجہد جاری رکھی۔ جس کا سب سے قوی آلہ شریعت ہے۔ ٦٤

[63] Black in the Americas, Microsoft ® Encarta ® 96 Encyclopedia. © 1993-95 Microsoft Corporation. All rights reserved. © Funk & Wagnall Corporation. All rights reserved.
[64] H. A. R. Gibb. Modern trends in Islam. Pp 86-87

اسلام ہی وہ واحد مذہب کیوں ہے جو انسانیت کی ضرورتوں کو پورا کر سکتا ہے اور اس کائنات کے ساتھ ہم آہنگی کے ساتھ رہ سکتا ہے؟ یہ اس لیے کہ اسلام ہی تمام مذاہب اور نظریات میں سے وہ واحد مذہب ہے جو حقیقتا واحدانیت کی طرز زندگی پیش کرتا ہے۔ جبکہ وہ خدا کی تجسیم پر زور دیتے ہیں۔ وہ اس بات کو ٹھیک سمجھ بیٹھے ہیں کہ تضاد علم کا بنیادی جزو ہے۔ نتیجہ ایک ہزار سال سے زائد کے عرصہ میں جب عیسائیت کو لوگوں کے دل و دماغ پر حکومت کا موقع ملا تو کوئی سائنسی ترقی نہیں ہوئی۔عیسائی، ھندو، بدھی وغیرہ وغیرہ سائنسی طرز اختیار نہیں کرسکے یہاں تک کہ اسلام نے انہیں کئی خداؤں کی پرستش سے آزاد کیا، جو کہ ان پر مذہبی مجاوروں نے عائد کررکھی تھی۔[٦٥] نہ تو عیسائیت اور نہ ہی ھندو ازم یا بدھ ازم اپنے پیروکار وں کو سائنسی تخلیقی سوچ اپنانے پر ابھار سکا۔ اور جیسے ہی وہ مسلمان ہوئے اور ایک خدا تعالی کی عبادت کرنے لگے تو وہ اس دور کے عرب مسلمانوں کے ساتھ ساتھ عظیم سائنسدان اور دانش ور بن گئے ۔

مسلمان ان خصوصیات کو جو سائنسئ تخلیقی سوچ اور فکر کے لیے ضروری ہوتی ہیں اپنانے میں کامیاب دو وجوہات کی بنیاد پر ہوئے۔ اول قرآن پاک اور دوم نبی اکرمﷺ کی سنت نے انہیں اپنے اندر اور اردگرد کی دنیا کے بارے میں جاننے اور کھوج لگانے کے لیے ابھارا۔

بےشک خدا غالب (اور) بخشنے والا ہے۔

(القرآن ۳۵:۲۸)

[65] Gustav le Boo mentionaed in his classic book Les Civilization de inde that The Vedas give the number of Hindu gods as 33. During this period , as many as, 33 million gods were worshipped by Hindus. Pp 440-441

کہو بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟ (اور) نصیحت تو وہی پکڑتے ہیں جو عقلمند ہیں۔

(القرآن۹:۳۹)

خدا تم کو کشادگی بخشے گا۔ اور جب کہا جائے کہ اُٹھ کھڑے ہو تو اُٹھ کھڑے ہوا کرو۔ جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے خدا ان کے درجے بلند کرے گا۔ اور خدا تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔

(القرآن ۱۱:۵۸)

بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے؟ اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا تو اس میں (بہت سا) اختلاف پاتے۔

(القرآن ۸۲:۴)

کیا کافروں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین دونوں ملے ہوئے تھے تو ہم نے جدا جدا کردیا۔ اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں۔ پھر یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟

(القرآن ۳۰:۲۱)

ہم عنقریب ان کو اطراف (عالم) میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہوجائے گا کہ (قرآن) حق ہے۔ کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار ہر چیز سے خبردار ہے۔

(القرآن ۵۳:۴۱)

ایسی بہت سی نشانیاں قرآن میں مذکور ہیں جنہیں بعد میں سائنسدانوں نے اپنے علم اور تحقیق کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ دریافت کیا۔

مندرجہ ذیل آیت میں جس نشانی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ سائنسدانوں کے لیے ایک بڑی چیز ہے۔

یا (ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے) جیسے دریائے عمیق میں اندھیرے جس پر لہر چڑھی چلی آتی ہو اور اس کے اوپر اور لہر (آرہی ہو) اور اس کے اوپر بادل ہو، غرض اندھیرے ہی اندھیرے ہوں، ایک پر ایک (چھایا ہوا) جب اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ نہ دیکھ سکے۔ اور جس کو خدا روشنی نہ دے اس کو (کہیں بھی) روشنی نہیں (مل سکتی)۔

(القرآن ۲۴:۴۰)

-

-

صفحہ نمبر ٦٧ پر ڈائگرام یہاں آئے گی۔

-

-

قرآن کی اس آیت میں گہرے سمندر کے اس اندھیرے کا ذکر کیا جس میں اگر کوئی شخص اپنا ہاتھ بھی دیکھنا چاہے تو نہیں دیکھ سکتا۔ ایسی اندھیر سیاہی تقریبا دو سو میٹر اور اس زیادہ کی گہرائی میں دیکھی جاتی ہے۔ اس گہرائی میں کوئی روشنی نہیں ہے۔ انسان چالیس میٹر سے زیادہ گہرائی میں آبدوز یا خاص آلات کی مدد کے بغیر غوطہ نہیں لگا سکتا۔انسان دو سو میٹر کی گہرائی میں زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔

سائنسدان حال ہی میں اس سیاہ اندھیرے کے بارے میں خاص آلات اور آبدوزوں کی مدد سے جان پائے ہیں۔

-

-

صفحہ نمبر 68 پرڈائگرام یہاں آئے گی۔

-

-

اندرونی لہریں دریاؤں اور سمندروں کے گہرے پانیوں کو ڈھانپتی ہیں کیوں کہ گہرا پانی زیادہ کثافت والا ہوتا ہے۔ اندرونی لہریں بھی سطحی لہروں کی طرح عمل کرتی ہیں۔ ان کو بھی سطحی لہروں کی طرح توڑا جاسکتا ہے۔ انسانی آنکھ سے اندرونی لہروں کو نہیں دیکھا جاسکتا مگر ان کو خاص درجہ حرارت پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔[٦٦]

درحقیقت جو آیت کائنات کی تخلیق سے متعلق ہمیں خبر دیتی ہے یہ وہی معلومات ہے کہ جس کی بناپر دو فزسٹس کو ۱۹۷۳ میں نوبل انعام دیا گیا تھا۔تاہم یہ سائنسی حقائق پہلے ہی سے نبی اکرم ﷺ پر ۱۴۰۰ سال قبل وحی کر دئے گئے تھے۔[٦٧]

دوسری بات یہ کہ توحید پر اسلام کی بنیاد ہے۔ یہ ہر طرح کے مفروضوں اور تواہمات کا رد کرتا ہے اور توہم پرستی سائنس کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ توحید کو ماننے کے بعد ہر کام کا ہونا اللہ ہی سے ہوتا ہے۔ اس لیے ہر عالم کو اس قابل ہونا چاہئے کہ وہ ان

[66] The above large excerpt was taken in its entirely from I. A. Ibraheem. A Brief Illustrated Guide towards Understanding Islam. Darussalam: Houston, 2002, pp 20-22

[67] Garry Miller. The Amazing Quran, Abul Qasim Publishing House.

تصورات کی جانچ پرکھ کرے اور ان کو انسانیت کے فوائد کے لیے کارآمد بنا سکے۔[68]

دیگر مذاہب اور سائنس میں طویل جدوجہد کے بعد اسلام نے اللہ کے حقیقی مذہب اور سائنس کے درمیان ہم آہنگی پیدا کی ہے۔ اس تناظر میں Muslim World League نے ایک کمیشن بنایا ہے جو قرآن اور سنت میں سائنسیٔ طور پر تصدیق شدہ حقائق کی جانچ کرتا ہے۔[69]

مختصر ا یہ کہ زندگی گزارنے کا کوئی بھی نظام (عیسائیت، بدھ ازم ، کیپیٹل ازم ، کمیونزم اور ھندو ازم)اس قابل نہیں کہ وہ اللہ، انسان اور قدرت کو ہم آہنگ انداز میں بیان کرسکیں۔ اس لیے ان کے سائنس کے بارے میں نظریات گمراہ کن ہیں۔ اس لیے اسلام سائنس کے بارے میں صحیح نکتہ نظر پیش کرتا ہے اور ترقی اور سائنس کے میدان میں ایجادات کو ترویج دیتا ہے۔ حقیقت کی صحیح پہچان اور انسان اور قدرت کے باہمی تعلق کی ٹھیک تفہیم اور مسلمانو ں کا سائنس کے میدان میں حصہ، اس بات کو ڈاکٹر محاثر محمد نے آکسفورڈ اسلامک فورم پر یوں بیان کیا۔

اس جدید دنیا میں مسلمانوں کا ایک حقیقی مقصد ہے۔ ان لوگوں کو روحانیت کی طرف واپس لانا ہے جو کہ تیزی سے بے خدائی اور مادہ پرستی کی طرف جا رہے ہیں۔ اور وہ اس قدر متکبر ہیں کہ سوچتے ہیں کہ شاید وہ ہر سوال کا جواب جانتے ہیں۔ ایک ایسی دنیا جس نے تباہی کے سنگین ذرائع بنا لیے ہیں اور ان کو بےوقوف افراد کے ہاتھ میں تھما دیا ہے۔

[68] A very Valueble book on this topic, entitled, Tawheed and its influence on thought and life.by Dr. Ismail Al Farooqi.

[69] The Address of this commission is Commision on Scientific Miracles of Quran and Sunnah, Muslim World League, Makkah, Saudi Arabia.

آج کل لوگ دنیا کو اپنی خواہش کے مطابق بنانا چاہتے ہیں۔ وہ اس بات کو بھول رہے ہیں کہ اپنی تمام تر ذہانت کے استعمال کے بعد بھی وہ شاید ہی "کیوں" والے سوالات کا جواب دے پائیں۔ وہ اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے کہ یہ کیوں اس طرح کام کرتا ہے، کائنات کا نظام جس طرح چل رہا ہے اس طرح کیوں چل رہا ہے،؟مادہ جس طرح عمل کر رہا ہے اس طرح ہی کیوں کر رہا ہے؟ آکسیجن اور ہائڈروجن پانی کیوں بناتے ہیں؟ وغیرہ۔ ہمارا سائنسی بیانیہ شاید کائناتی قوانین کی ترکیب اور ترتیب تو بتا سکے مگر اس کی اصل حقیقت کا بیان شاید انسانی سائنس کے دائرہ اختیار ہی سے باہر کی چیز ہے۔

اکیسویں صدی میں مسلمان اور غیر مسلمان دونوں ایک ہی طرح بےقدر ہوئے ہیں۔ یہ وقت کا ایک ایسا دور ہے جو بہت سی تبدیلیاں دیکھے گا،جس کا مسلمان حصہ ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ ان کا اس تغیر کے بارے میں کیا موقف ہے۔ یہ بہتر ہوگا کہ اگر مسلمان اس دور کو اپنی آنکھیں کھولی رکھ کر دیکھیں اور جو بھی کرنا چاہیں وہ دیکھ بھال کر کریں۔ اور اگر وہ   اپنا ایمان اور اخلاقی اقدار و بھائی چارہ کو بچا سکیں تو انہیں انسانیت کے لیے مثبت کردار ادا کرنا چاہیے۔ [۷۰]

میں سمجھتا ہوں یہ مناسب ہوگا کہ اس فصل کا اختتام عظیم مورخ روبنسن سے کرتے رہیں۔ جو ہسپانوی مسلمانوں کی حالت بیان کرتے ہیں اس وقت جب یورپ میں ڈارک ایجز کا دور تھا۔ یہ ایک یاددہانی ہوگی کہ اسلام ہی انسانیت کے فائدہ میں کام کرنے والی سائنس اور ٹیکنولوجی کا حقیقی رہنما ہے۔

---

[70] Mahathir Mohammad (The Malaysian Prime Minister) Muslims can be Positive Force in 21st Century. Islamic Future-Vol.XIII-No.7

جب شام ڈھلتے ہی یورپ تاریکی میں ڈوب جاتا تھا تو قرطبی کی گلیاں جگ مگ کیا کرتی تھیں، یورپ آلودہ تھا اس وقت قرطبی میں ایک ہزار بیت الخلاء بنائے گئے، جب یورپ کڑے مکوڑوں میں گھرا رہتا تھا تب قرطبی اپنا لباس روزانہ بدلتا تھا،یورپ کیچڑ میں رہتا تھا تب قرطبی کی گلیاں ہموار تھیں،یورپ میں دھوواں والی جگہ چھت میں سراخ ہوتا تھا تب قرطبی میں عرب گللگاری دل موہ لینے والی تھی، یورپ کے شرفاء اپنا نام نہیں لکھ پاتے تھے تب قرطبی کے بچے اسکول جایا کرتے تھے، یورپ کے پادری جب بپتسمہ کی دعا نہیں پڑھ سکتے تھے اس وقت قرطبی کے اساتذہ نے وسیع و عریض مکتبے قائم کر رکھے تھے۔[71]

اس نتیجہ سے ایک چوتھی بحث پھوٹتی ہے جس کی طرف اسلام کی عالمگیریت اشارہ کرتی ہے وہ ہے انسانیت کو درپیش مسائل کا حل۔

[71] V. Robinson, The Story of Medicine ,P 164, in Thomson 1996, For Christ's Sake. Ta-Ha Publications: London. P.XI

فصل چہارم

عالمگیریت اور انسانیت کو درپیش مسائل کا حل

انسانیت کو آج بے شمارسنگین مسائل کا سامنا ہے ہے -ذاتی مسائل جیسے شراب نوشی اور جنسی بیماریوں سے لے کر معاشرتی مسائل جیسے بوڑھوں کی حالت زار، بچوں اور عورتوں کے ساتھ زیادتی اور ایسے مسائل جن سے ساری دنیا پریشان ہے یعنی جارحانہ جنگیں۔ اگر انسانیت کے لیے طرز زندگی کے طور پر کوئی بھی نظام پیش کیا جائے تو اسے اس قابل ہونا چاہیے کہ وہ درپیش مسائل کی **روک** تھام کے لیے حل تجویز کرے ۔اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ نئے اٹھتے مسائل کی انسداد بھی کرے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری دنیا کی سب سے بڑی ضرورت ایسے ہی نظام کی ہے جو ان مسائل کا حل اور انسداد کرسکے۔

۱-شراب نوشی اور منشیات کی لت:

شاید آج کے بہت سے نظام خاص طور سے سیکولر نظام نے سائنس اور مادیت میں بہت ترقی کی ہے جس نے کچھ لوگوں کو مثبت فائدہ اور بہت سکون پہنچایا ہے ۔لیکن اس نے بہت سے لوگوں پر منفی اثرات ڈالنے کے ساتھ ساتھ انہیں جان لیوہ راستے اختیار کرنے اور تباہ کن عادات اپنانے پر مجبور کردیاہے۔ شراب اور منشیات کی لت آج ایک عالمی مسئلہ بن گیا ہے۔ اس کا حجم اب صحت اور معاشرتی تعلقات کو خراب کر رہا ہے۔ اس کے بڑھنے سے منشیات فروشوں اور ان ملکوں کے درمیان جو اس کا شکار بنتے ہیں ایک جنگ چھڑ چکی ہے ۔ شراب اور منشیات کےاثر میں کیے جانے والے جرائم کی شرح بہت زیادہ ہے۔

صرف ۱۹۷۹ میں امریکہ میں ۲،۱۳۷،۹۹۹ شراب سے متعلقہ جرائم پولیس کورپورٹ ہوئے۔[۷۲] درحقیقت شراب کے سنگین نتائج اس سے بھی بڑھ گئے ۔ اور ۹۷۵ میں تقریبا ۵۰،۰۰۰،۰۰۰ درمیانہ درجہ کے شراب نوش تھے جب کہ ۱۴،۰۰۰،۰۰۰ شدید درجہ کے شراب نوش صرف امریکہ میں موجود تھے۔[۷۳] بہت سے امریکیوں میں شراب کا استعمال بہت تیزی سے بڑھتا ہوا نظر آتا ہے ۔جو ایک سنگین معاشرتی مسئلہ بن گیا ہے ،جس پر قابو پانا بھی مشکل کام ہے۔ یہاں پر کوئی یہ سوال بھی پوچھ سکتا ہے کہ امریکہ میں اس قدر شراب کا مسئلہ کیسے بڑھ گیا؟ تو اس کا جواب پانچ امریکی ماہر عمرانیا ت نے یوں دیا:

آخری دہائیاں امریکہ میں کیمل دور سمجھی جاتی ہیں، لوگوں کو کائی بھی مسئلہ درپیش ہو وہ ان چیزوں کا استعمال کرتے ہیں چاہے کسی کو جسم میں درد ہو، کوئی ذہنی پریشانی ہو یا ادوری چاہتیں۔ بعض تو بہت آگے بڑھ گئے اور یہ تک کہ ڈالا کہ امریکہ تو ہے ہی منشیات کی تہذیب جہاں ہر سال طرح طرح کی منشیات کا استعمال کیا جاتا ہے ۔اور شاید یہ وضاحت کافی قوی ہے۔[۷٤]

شراب نوشی اور منشیات کے استعمال کی شدت کو محسوس کرتے ہوئے بہت سے ممالک نے احتیاتی تدابیر اپنائی ہیں۔ جیسا کہ امریکہ میں ۱۹۲۰ میں شراب اور ہر طرح کی منشیات کی فروخت پر پابندی لگائی گئی ۔ اس کا نام prohibition law ہے جو ۱۹۲۰ سے ۱۹۳۳ تک ہی عمل میں رہ سکا۔ FBIاور دیگر بڑے قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ہوتے ہوئے یہ قانون بری طرح فیل

---

[72] Federal Board of Investigation, Uniform Crime Reports, 1979 Washington, D.C: U.S Government Printing Office, 1980), PP 196-197

[73] Carl D. Chambers, James A. InCiardi, Harvey A. Siegel. Chemical Coping: A report on Legal Drug Use in the United States. Spectrum Publications, Inc, New York, 1975

[74] Sullivan, Thompson, Wright, Gross and Spady (1980).P 612

ہوگیا اور کامیاب نہ ہوسکا۔ National Prohibition Actکی بڑے پیمانے پر خلاف ورزی ہوئی۔ ممنوعات کی غیر قانون تیاری، منتقلی اور خرید و فروخت نے منظم جرائم کو جنم دیا اور ان کو سود مند کاروبار بنا دیا۔ اور یہ سارا تجربہ بری طرح ناکام ہوگیا۔[۷۵]

یہ سنگین مسئلہ صرف امریکہ ہی کو درپیش نہیں ہے بلکہ دنیا کے دیگر بڑے معاشرے بھی شراب نوشی سے یاکسی اور منشیات سے نقصان اٹھا رہے ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق، جو سال ۲۰۰۰ میں روسی روزنامچہ Kommersant[۷۶] کی جانب سے شائع کی گئی ، تین میں سے دو روسی مرد شراب کے نشے میں مرتے ہیں جن میں سے آدھے شدید نوعیت کے شرابی نشے میں مرتے ہیں۔ 57.4 سال کی عمر کے بعد یورپ میں روسی مردوں کی شرح زندگی کم ہے۔ روزنامچے نے ماسکو اور اڈمورتیا کے شہروں میں ۲۰-۵۵ سال کی عمر کے مردوں میں تین سال کی تحقیق کے بعد یہ رپورٹ شائع کی۔

ہرکوئی شراب پئے ہوئے ہے، کوئی قاتل ہے تو کوئی مقتول ، نشے میں دھت ڈوب رہے ہیں، خودکشی کرہے ہیں، سوار اور پیادے ٹریفک حادثات میں مر رہے ہیں، اوربعض ہارٹ اٹیک یا السر سے مر رہے ہیں۔

مسٹر شرنینکو جو National Organization of Russian Muslims کے نائب چیرمین ہیں، وہ شراب نوشی کے معاملے پر فرماتے ہیں:

[75] Henry W. Mannle and J. David Hirschel. Fundamentals of Criminology, Delmar Publishing Inc. Albany, New York, 1982, P 322

[76] Kommersant, Moscow, May 19, 2000, in Ben Adam (2006) “Alcohol: The Devils’ Deadly Disease”. http://www.islamreligion.com/articles/454/

کوئی یہ کہ سکتا ہے کہ ووڈکا یا وائن روسی تہذیب کا خاصا ہے مگر میں شراب نہ پی کر بھی اچھا روسی بن سکتا ہوں۔ روس میں زیادہ تر معاشرتی مسائل شراب کے استعمال کی وجہ سے ہیں۔اگر ہم روس میں اسلامی معاشرتی اقدار متعارف کروائیں تو معاشرہ اور ملک زیادہ مستحکم ہوجائے گا۔

یہ بات شک سے بالاتر ہے کہ یہودیت اور عیسائیت سمیت کوئی بھی نظام ایسے مسائل کا کوئی سنجیدہ حل پیش نہیں کرسکتے ۔ کیونکہ شراب نوشی اگر سب نہیں تو زیادہ تر مذہبی اور سرکاری تقریبات کے مواقع پر ایک اہم جز وسمجھی جاتی ہے، چہ جائے کہ بائبل کی تعلیمات کے مطابق یہ ممنوع ہی ہے۔ منشیات کے بارے میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ نام نہاد عیسائی حکومتیں منشیات کے استعمال کو قانونی حیثیت دینے کے حق میں ہیں یا اس طرح کے منصوبہ جات شروع کر چکے ہیں۔ جیسے نشے کے عادی افراد میں سرنجوں کی مفت تقسیم۔ جو منشیات کی لت رکھنے والوں کی حوصلہ افزائی ہے نہ کہ اس مسئلہ کی انسداد۔ آخری پانچ سالوں میں صرف امریکی حکومت نے ۵۲ بلین ڈالر منشیات سے نجات کے لیے استعمال کیے ہیں اور بہت کم ہی کامیابی حاصل ہوئی۔[۷۷]

جنرل نورمن کووارزکوف ، گلف وار میں اتحادی فوج کے کمانڈر، نے امریکی کانگرس سے خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ کیسے سعودی عرب میں شراب نوشی پر پابندی نے ہماری فوجیوں کو بہتر اور مزید نظم و ضبط کا پابند بنایا۔:June 13, 1991

ہمارے بیمار ہونے کی شرح کم ہوئی، حادثات اور زخمی ہونے کی شرح کم ہوئی ، نظم و ضبط ٹونے کے واقعات کم ہوئے۔ جوکچھ

[77] Family, Vol. 14, 14 August, 1994. P. 9

بھی ہوممکت سعودی عرب میں شراب پر پابندی کی وجہ سے ہمیں شفائی نتائج ملے۔ [78]

اسلامی حل:

بہت سے ماہرین عمرانیات یہ سمجھتے ہیں کہ شراب نوشی اور نشے کی لت کا معاشرتی مسئلہ ناقابل حل ہے۔ اور ان کا خیال ہے کہ پولیس اور سیاستدان اب کچھ نہیں کرسکتے۔ وہ اس کو جڑ سے ختم کر ہی نہیں سکتے۔ وہ معاشرے جہاں شراب نوشی اور منشیات کا استعمال شدت اختیار کر گیا ہے وہاں اس کے اصلی محرکات پر گفتگو ہی بند کردی گئی ہے۔ بلکہ وہ اب اس بات پر زور دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ اس اثرات کو کیسے قابو کیا جائے اور ان کی حدبندی کیسے کی جائے۔ ایسا کوئی قانون نہیں ہے جو شراب کی تیاری سے لے کر اسے بیچنے اور استعمال کرنے پر حرکت میں آئے لیکن ڈرائونگ کرتے وقت "خاص مقدار" کا قانون حرکت میں آتا ہے۔ یہاں پر بھی قانون ہے مگر جڑ کو نہیں پکڑا جا رہا۔ یعنی علامات مرض کا علاج سوچا جارہا ہے مگر حقیقی مرض کی دوا کی فکر نہیں کی جارہی۔پائلٹ کبھی بھی کسی بھی وقت شراب پی سکتے ہیں مگر ہوائی جہاز اڑاتے وقت انہیں پینے کی اجازت نہیں۔ شراب کی تشہیر اس قدر زیادہ ہے کہ بچے اٹھارہ سال کا ہونے کا انتظار نہیں کر پاتے اور قریبی مہ خانے سے شراب کو خرید کر یوں لوٹتے ہیں گویا کوئی سوغات لائے ہوں۔

ایسے تمام تضادات اور دہرے معیار وں کو اسلام میں کوئی جگہ نہیں دی گئی۔ اگر شراب ڈرائونگ کے دوران نقصان دے ہے تو وہ ہر وقت ہی نقصان دہ ہے۔ اگر وہ اٹھارہ سال سے چھوٹوں کے لیے

[78] Gen. Norman Schwarzkopf address to the US congress, June 13, 1991, in Ben Adam (2006) “Alcohol: The Devils’ Deadly Disease”. http:/www.islamreligion.com/articles/454

نقصان دہ ہے تو وہ ہر عمر کے لوگوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ اس کا ثبوت بہت سےوہ سنگین جرائم ہیں جو شراب یا منشیات کے اثر میں ہر سال کیے جاتے ہیں۔

اسلام-- جو حقیقی طور پر خدا کی تعلیمات کا مجموعہ ہے-- کا وجود اس مسئلہ کو جڑ سے اکھاڑ سکتاہے۔ اس لیے وہ ایسا کوئی موقع ہی نہیں چھوڑتا کہ جس سے اس کے تباہ کن نتائج کو کوئی انسان یا معاشرہ بھگتے۔ ایسے تمام مواقع جو کسی طور بھی شراب کے طرف مائل کرسکتے ہیں وہ شرعی طور سے ممنوع ہیں۔ اس لیے علامات کے خاتمہ پر طاقت صرف کرنے کی بجائے بیماری کی جڑ ہی کا علاج کیا گیا ہے۔ اسلام اس بات کا شروع ہی سے خیال رکھتا ہے کہ اس کے ماننے والوں میں خود احتسابی کا ایک جذبہ پیدا ہوجائے۔ تاکہ کسی بیرونی قوت کے استعمال کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ قرآن میں اکثر مقاما ت پر اس کا ذکر ہے۔

اے ایمان والوں! خدا کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو۔

اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔

انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور خدا سے ڈرتے رہو۔

کچھ شک نہیں کہ خدا تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔

(القرآن ۵:۸)

اسلام نے زندگی کا ایک مکمل نظام قائم کیا ہے جس میں اس کا ہر ہر شعبہ ہم آہنگی کے ساتھ کام کرتا ہے۔ تمام حل جو پوری دنیا میں

مسائل کے تدارک کے لیے پیش کیے گئے ہیں وہ کسی معاشرے کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہوسکے۔ جس کا نتیجہ معاشرتی افراتفری کی شکل میں ظاہر ہوا۔ لیکن اسلام میں ، جیسے روزہ اسلام کے پانچ میں سے ایک بنیادی ستون ہے۔ جہاں اسلام اپنے ماننے والوں میں خود احتسابی کے ساتھ ساتھ خود تادیبی کا جذبہ بھی پیدا کرتا ہے۔

مسلمانوں کو یہ بات سکھائی جاتی ہے اللہ نے ہر پاک چیز کو حلال کیا ہے اور ہر ناپاک چیز کو حرام قرار دیا ہے۔

وہ جو (محمدﷺ) رسول (اللہ) کی جو نبی اُمی ہیں پیروی کرتے ہیں جن

(کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں۔

اور پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں

کو ان پر حرام ٹہراتے ہیں اور ان پر سے بوجھ اور طوق جو ان (کے سر)

پر (اور گلے میں) تھے اتارتے ہیں۔

(القرآن ۷:۱۵۷)

جب ایمان لانے والوں کے دلوں میں ایسے عقائد بٹھائے جائیں گے تو لوگ خالق کائنات کے ان احکام کو مانیں گے جن میں مخصوص کاموں سے روکا گیا ہے اور مخصوص اشیاء کھانے پینے کے لیے ممنوعہ قرار دی گئی ہیں۔ احکام کی ایسی تعمیل کی مثال ہمیں اسلام کے اولین دور میں ملتی ہے۔ جب قریشی (مکی) اور اسلام سے پہلے کے لوگ شراب نوشی کو مشترکہ معاشرتی عادت سمجھتے تھے

جیسے آج کے غیر مسلم معاشرے سمجھتے ہیں۔ تاہم خدا کا حکم آتے ہی مسلمانوں نے جیسے بتوں کی پرستش چھوڑ دی تھی اسی طرح حکم پاتے ہی شراب نوشی کو بھی ترک کردیا۔

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پاسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال

شیطان سے ہیں سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔شیطان تو یہ چاہتا ہے

کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے

اور تمہیں خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے)

باز رہنا چاہیئے۔اور خدا کی فرمانبرداری اور رسولِ (خدا) کی اطاعت کرتے

رہو اور ڈرتے رہو اگر منہ پھیرو گے تو جان رکھو کہ ہمارے پیغمبر کے ذمے

تو صرف پیغام کا کھول کر پہنچا دینا ہے۔

(القرآن ۵:۹۰،۹۱،۹۲)

پورے مدینہ میں لوگوں نے فوری طور پر شراب پینا چھوڑ دی۔ انہوں نے اپنے شراب کے ذخیرے سے شراب یوں نکال پھیکی کی مدینہ کی گلیوں میں شراب بہنے لگی۔ انہیں اپنے رب کے حکم کی تعمیل میں ذرا سی بھی قباحت محسوس نہیں ہوئی۔ وہاں اس بری لت کو چھوڑوانے کے لیے لاکھوں بلین ڈالر بھی نہیں خرچ کرنے پڑے اور نہ ہی اعلی تربیت یافتہ ایجینسیز کا استعمال کرنا پڑا۔ یہ ہے

اسلامی نظام کی طاقت! لوگ خود ہی آگے بڑھ کر قدم اٹھاتے ہیں اور اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں وہاں کوئی بیرونی طاقت یا دباؤ کی ضرورت پیش آتی ہی نہیں۔ اپنی ذات کو خدا کے حکم کےتابع کرنے والے یہ لاکھوں لوگ اسلام کے پیروکار تھے جنہوں نے اسلام کو بطور نظام حیات اپنا رکھا تھا:

دین (اسلام) میں زبردستی نہیں ہے ہدایت (صاف طور پر ظاہر اور) گمراہی

سے الگ ہو چکی ہے تو جو شخص بتوں سے اعتقاد نہ رکھے اور خدا پر ایمان لائے

اس نے ایسی مضبوط رسی ہاتھ میں پکڑ لی ہے جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں

اور خدا (سب کچھ) سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے۔

(القرآن ٢:٢٥٦)

اسلام میں سرتسلیم خم کرنے کا تصور اور آزاد سیکولر معاشرے میں ناپسندیدہ آمادگی کا تقابلی جائزہ لینا چاہیے۔ جب ١٩٢٠ میں Law of Prohibition امریکی حکومت کی جانب سے لایا گیا تھا تو لوگ ذہنی اور روحانی طور پر اس پر عمل کے لیے تیار نہیں تھے۔ حقیقت میں ایسا کوئی نظام زندگی نہیں جس میں ایسے قوانین کا نفاذ کیا جائے۔ انسان کے نافذ کردہ قوانین میں ممکن نہیں کہ کوئی مخالفت نہ کرے ۔ جب لوگوں کو باہم تھامنے کے لیے کوئی ایک قوت نہ ہوگی تو ہر چیز انتشار کا شکار رہے گی کیونکہ لوگ جہالت[٧٩] میں جیتے ہیں ۔

[79] اس سے مراد زمانہ جاہلیت ہے۔

۲-جرم:

جرم (منظم جرائم، راہ زنی، ریاستی جرائم،معاشرتی جرائم) اپنی تمام شکلوں میں ہماری دنیا کے امن اور سلامتی کا بڑا دشمن ہے۔ تاہم جرم جیسے بڑے عالمی مسئلہ کے حجم کا یہاں احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ [۸۰]

-

-

یہاں پر صفحہ ۸۲ سے چارٹ آئے گا

-

-

The Federal Bureau of Investigation (FBI) نے Uniform Crime Report (UCR) میں اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ امریکہ میں رپورٹ ہونے والے تمام جرائم ۱۹۷۶ -۱۹۹۵ تک ۵٪ بڑھے ہیں۔ ۱۹۸۵ میں کل گرفتاریاں 11.9ملین تھیں جن میں ۱۹۸٤ تک ۳٪ اِضافہ ہوا۔ [۸۱]ایک ایسے ملک کے لیے جس کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کے پاس سکیورٹی کا بہترین نظام ہے اس کے لیے یہ اعداد و شمار بہت زیادہ ہیں۔ علم جرائت کے جاننے والوں کے مطابق UCRکے اعداد و شمار کافی حد تک کم ہیں۔ اعداد و شمار کے لحاظ سے اس سے زیادہ قابل اعتبار حوالہ ادارہ National Crime Survey (NCS) کی سالانہ رپورٹ ہے۔ اس سروے میں وہ جرائم بھی شامل ہیں جو

---

80 The Statistics are based on the FBI, Uniform Crime Report, 1995 as presented by The World Almanac and Book of Facts 1997

81 The New Groiler Electronic Encyclopedia, 1991 edition, P 19.

پولیس کو رپورٹ نہیں ہوتے۔اس کے ۱۹۸۵ کے سروے کے مطابق ۲۵ ٪ (امریکہ میں چار میں سے ایک گھر) خاندانوں نے یا تو فرد یا پھر پورا خاندان ہی جرم سے متاثر ہوا ہے۔[۸۲]

FBIکی طرف سے مہنگی ترین کوششوں کے باوجود جرم روکنے کے لیے کوشاں پولیس افسروں کی شرح اموات کو بھی کم نہیں کیا جاسکا[۸۳]اور نہ ہی جرم کی شرح پر قابو پایا جاسکا ہے۔ FBI کے مطابق، Uniform Crime Report (1995) میں قتل ، ڈکیتی اور زنا بالجبر کے واقعات

(1976) 11, 349,700 بڑھ کر (1992) 14,872,900 ، یعنی جس میں 3,537,200 جرائم کی رپورٹس کا ضافہ ہوا۔[۸۴] اور Justice Departments' Bureau of Justice Statistics کی تازہ اعداد و شمار 2006 کے مطابق کے مطابق تقریبا ہر ۳۱ امریکیوں میں سے ایک حوالات یا جیل میں رہ چکا ہے یا مشروط رہائی پا چکا ہے۔[۸۵] اب کیا کوئی بھی ذی شعور انسان اس بات کو تسلیم کر سکتا ہے کہ نیو ورلڈ آرڈر کی رہنما اور سپر پاور کا دعوی دار ملک اپنے شہروں اور گلیوں میں امن اور سکیورٹی لانے میں ناکام ہے تو وہ باقی دنیا کے امن و سکیورٹی کی یقین دہانی کیسے کروا سکتا ہے؟

ان اعداد و شمار اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ جرم[۸۶] اپنی بہت سے صورتوں میں فرد اور معاشرہ کے امن و سلامتی کے لیے خطرہ بن چکا ہے۔ جرم کی انسداد کے لیے بہت سے طریقہ کار کامیاب نہیں ہوسکے یا ناکافی ثابت ہوئے ہیں۔ Bureau of Justiceکے تازہ

---

[82] Ibid, P 20

[83] According to the U.S Federal Bureau of Investigation, during the years (1988-96) 1187 police officers were killed and 1040799 were assaulted by firearms or other dangerous weapons.

[84] The World Almanac and Book of Facts 1997 in Microsoft Book shelf 98

[85] http://www.realtruth.org/articles/071228-004-cm-print.html

[86] The Challenge of Crime in a free society (Washington, DC, US Government Printing Office, 1967) P 33

اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۷۰ میں 268,000 لوگ پچاس ریاستوں میں جیل میں تھے۔ اور سال 2006تک یہ تعداد 2.4ملین سے بھی بڑھ گئی۔ اس حیراکن اضافہ کے باوجود جرم کی شرح میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔[87] یہاں زیادہ تر اعداد و شمار مغربی معاشروں کا ہی پیش کیا گیا ہے۔ مغربی معاشرے میں انسداد جرم کے تمام طریقے، ان بڑھتے ہوئے اعداد شمار کے بعد ناکام نظر آتے ہیں ۔ جو اس بات کی طرف ہماری توجہ کرواتا ہے کہ درحقیقت جرم کو سزا کی بجائے انسانی زندگی میں مناسب تربیت کا بندوبست کر کے بہت کم کیا جاسکتا ہے۔ ایک ایسا نظام جس نے لوگوں کو جرم کی بے سکونی سے نکال کر زندگی میں امن اور سلامتی بخشا ہے۔

اسلامی حل:

سلامتی اور حفاظت کا اسلامی نظریہ موجودہ دور میں رائج کسی بھی نظام سے جامع تر ہے۔ اسلامی نظام انسان کو اس کائنات کا ایک جز واور ان کے آپسی ربط کو تسلیم کرتا ہے۔ اسلام جسمانی، ذہنی، نفسیاتی اور روحانی عوامل کے دائرہ کار کو معاشرتی نظام کی سلامتی کا اہم جزو تسلیم کرتاہے۔ اسلام صرف مجرم سے جرم کے بعد خاص رویہ روا رکھنے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ جرم سے پہلے ہی انسداد جرم کے رویہ کو اپنایا جائے۔ دوسرے الفاظ میں اسلام بٹھکنے اور لالچ کے ممکنہ ذرائع کا ہی قلع قمع کرتا ہے۔ جبکہ جدید معاشرہ خود ان عوامل (شراب،تشدد ،جنسی فحاشی)کا پرچار کرتا ہے ۔ لیکن حقیقی اسلامی معاشرہ بٹھکانے کے ان ذرائع ہی کا راستہ روکتا ہے اور اگر سزا کی ضرورت آ ہی جائے تو پھر سزا سخت ہوتی ہے جو اس وقت موثر بھی ہوتی ہے۔

[87] http://www.realtruth.org/articles/071228-004-cm-print.html

زیادہ تر جدید معاشروں میں انسداد جرم کے بلکل برعکس جرم کی ترغیب دہی کی راہ اپنائی جاتی ہے۔ یعنی جرم پر اکسانے کے تمام ذرائع وافر مقدار میں مہیا کیے جاتے ہیں۔ اور جب سزا کی باری آتی ہے تو نہات نرم اور غیرسنجیدگی سے عمل کیا جاتا ہے۔ زیادہ تر متعاصبانہ کاروائی کی جاتی ہے یا پھر مجرم کے حقوق مظلوم کے حقوق سے بڑھ جاتے ہیں۔

اسلامی تعلیمات عبادتوں (نماز- دن میں پانچ مرتبہ باہمی اخوت کا درس، روزہ- غرباء و مسکین کے لیے احساس، زکوۃ –غریبوں محتاجوں کا حق) میں عملی لحاظ سے اس بات کا پرچار کرتی ہیں کہ ایک دوسرے کے لئے ذمہ دارانہ رویہ اپنایا جائے، ایک دوسرے کی عزت کی جائے اور اپنے اندر امن ، سلامتی،خیرسگالی کے جذبات کو تقویت دی جائے۔ اپنے روحانی اثر میں یہ سب ہر ہر فرد کو برائی سے روکتی ہیں۔ امریکہ میں اسلام سے متعلق The Christian Science Monitorنے ایک ویڈیوں فلم بنائی جس میں ان قیدیوں کی مسلمان ہونے سے پہلے اور مسلمان ہونے کے بعد کی زندگیوں کا تذکرہ کیا گیا ۔ اسلام لانے سے پہلے بہت سے قاتل، منشیات فروش اور عادی مجرم تھے مگر اسلام قبول کرنے کے بعد وہ باعزت ، مہذہب اور معاشرے کے لیے فائدہ مند شہری بن گئے۔ مغربی اعداد و شمار یہ بتاتے ہیں کہ Maximum Security Prisons کے زیادہ تر قیدی عادی مجرم ہوتے ہیں یعنی وہ رہائی کے کچھ عرصہ بعد ہی واپس جیل آجاتے ہیں۔ Bureau Of Justice (BJS)کے مطابق ۱۹۹٤ میں جتنے قیدیوں کو آزاد کیا گیا تھا ان میں سے 67.5% قیدیوں کو اگلے تین سال

میں دوبارہ پکڑا جاچکا تھا ۔ BJSکی طرف سے یہ اب تک کی سب سے تازہ رپورٹ ہے۔ [۸۸] حال ہی میں لکھے گئے ایک مضمون

‘Would God use Prisons to rehabilitate criminal minds?’

میں مصنف اس بات پر زور دیتا ہے کہ اس نظام میں مسائل نسل در نسل چلے آرہے ہیں اور سالوں سے اس میں کوئی اچھی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ۔جو باجود ٹھیک ٹھاک فنڈز کے خرچ کرنے کے، جرم کی روک تھام میں نا کامی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ The Christian Science Monitor [۸۹] کے مطابق ایسے اعداد و شمار یکسر تبدیل ہوجاتے جب یہی قیدی اسلام قبول کرتے ہیں۔ امریکہ کے اندر جرائم میں کمی کے تمام مہنگے طریقوں کے ناکام ہونے کے بعد اسلام نے سب سے کار آمد طریقہ پیش کیا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام ہی عالگیر نظام ہونے کے قابل ہے اور اس کی تعلیمات کو پوری دنیا کو اپنانا چاہیے۔

۳- بچوں اور عورتوں کے ساتھ زیادتی:

خاندان معاشرہ کا ایک ایسا اداراہ ہے جہاں محبت اور خلوص فروغ پاتے ہیں۔ وہاں ایک دوسرے کے ساتھ برداشت اور رواداری کا معاملہ کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت جدید معاشرہ میں یہ ادارہ کارآمد نہیں رہا اور اس کے بر عکس ہی نتائج پیش کررہاہے۔[۹۰] امریکا کہ

---

[88] http://www.realtruth.org/articles/071228-004-cm-print.html
[89] Islam in America (Video). The Christian Science Monitor Publishing Society, Boston, Mass. 1992
[90] According to the FBI, between 1983 and 1987 arrests of those under 18 for murder jumped 22.2% for aggravated assault 18.6% and for rape 14.6%. By the age of 16, the typical American child has witnessed through TV and movies 200,000 acts of violence, including 33,000 murders.

دفتری اعداد و شمار کے مطابق ۲۰٪ گھریلو قتل خاندان ہی میں ہوتے ہیں۔[۹۱]

روسی حکومت کے ریکارڈ کے مطابق صرف ۱۹۹۳ میں 14,500 روسی خواتین کا قتل ان کے خاوندوں نے کیا اور مزید 56,400 خواتین کو یا تو معزور کردیا گیا یا ان کو شدید زخمی کردیا گیا۔"انگلستان اور امریکہ میں عورتوں پر گھریلو تشدد کے واقعات کے اعداد و شمار پریشان کن ہیں"۔ Home Office Research کے مطابق انگلستان اور ویلز میں گھریلو جرائم میں سے ۱۸٪ وہ ہیں جن میں بیویوں کو ان کے خاوندوں نے قتل کردیا۔[۹۲]

جیساکہ بچے خاندان کے کمزور ترین فرد ہوتے ہیں اس لیے تشدد اور زیادتی کی بڑی شرح ان سے متعلق جرائم کی ہے۔ بچوں پر تشدد یا زیادتی میں والدین کے بہت سے وہ افعال آجاتے ہیں جن میں کسی بھی عمر کے بچوں کو کسی بھی طرح کا نقصان پہنچانا ہو۔لیکن ظلم کی نوعیت بچوں کی عمر کے ساتھ ساتھ مختلف ہیں۔ چھوٹے بچوں پر شدید چوٹ جیسے جھلسنے اور ہڈی ٹوٹنے کے واقعات بہت عام ہیں۔ اس کو Battered Child Syndromeکے نام سے ۱۹۶۰ میں باقاعدہ نام سے جانا گیا۔ تاریخی اعتبار سے زنا کی درج شدہ شکایات میں چھیڑ چھاڑ سے لے کر زنا تک زیادہ تر مردوں ہی کا قصور ہوتا ہے اور ان کا نشانہ عام طور پر اسکول جانے والے بچے یا خاندان کی نو عمر لڑکیاں بنتی ہیں۔ لیکن حال ہی میں چھوٹے بچوں اور مرد بھی اس کا نشانہ بنے لگے ہیں۔[۹۳] اس بات کا اندازہ لگایا جاتا ہے کہ بچوں کے ساتھ زیادتی کے واقعات میں ہر سال ۳۰٪ تیزی آرہی ہے۔ ۱۹۷۳ سے ۱۹۸۲ کے

[91] Sullivan, Thompson, Wright, Gross and Spady (1980), P 548
[92] James Meek. “Moscow wakes up to the toll of Violence in the home” The Guardian, Thursday, June 22, 1995
[93] Child Abuse, Microsoft ® Eucarta 96 Encyclopedia

درمیان بچوں سے زیادتی کی 1.5 ملین کیس تھے، جن میں سے ۵۰،۰۰۰ کا نتیجہ موت ہوا اور ۳۰۰،۰۰۰ کا نتیجہ کسی بڑے نقصان کی صورت میں برآمد ہوا۔[۹۴] بچوں کے ساتھ زیادتی کے واقعات صرف امریکہ تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ برطانیہ میں مثال کے طور پر National Security for the prevention of cruelty to children کی رپورٹ کے مطابق بچوں سے زیادتی کے واقعات میں ۱۹۷۹ سے ۱۹۸٤ کے درمیان ۷۰٪ اضافہ وارد ہوا ہے۔[۹۵] The Guardianکی ایک رپورٹ ؛

امریکہ میں عورتوں سے متعلق جرائم میں جس تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اس قدر اضافہ کسی اور جرم میں نہیں ہورہا۔ تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق ۔ تقریبا ہر سال ۳-٤ ملین خواتین پر خاوند یا اس شخص کے ہاتھوں جس کے ساتھ وہ رہتی ہیں لگاتار تشدد کیا جاتا ہے۔ مقتول خواتین کا ایک تہائی ان کے اپنے خاوندوں یا بوئےفرنڈز کے ہاتھوں قتل ہوا ہوتا ہے۔[۹٦]

٤۔ زنا بلجبر اور جنسی طور پر حراساں کرنا:

مغرب زنا بلجبر کے بڑھتے واقعات کی نشان دہی اگست ۱۹۹۱ کے The Epsilon issueسے ہوئی۔ اس رپورٹ سے معلوم ہوا کہ گریسس جیسا ملک جہاں کی آبادی ۸ ملین سے زیادہ نہیں وہاں ۱۹۷۸-۱۹۸۷ کے درمیان ۱۰،۰۰۰ زنابلجبر کے واقعات رپورٹ ہوئے۔صرف ۱۹۸۲ میں ، اٹلی میں ٤۰۰۰ زنا بلجبر کے واقعات ہوئے۔ ۱۹۸۰ کے درمیان فرانس میں ۵۵،۰۰۰ سے زائد زنا بلجبر

[94] Sullivan, Thompson, Wright, Gross and Spady (1980), P 549
[95] Child Abuse, Microsoft ® Encarta 96 Encyclopedia
[96] The Guardian, Tuesday, June 22, 1995

کے جرائم ہوئے۔ اور جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے وہاں ۱۰۲،۰۰۰ زنابلجبر کی شکایات کا اندراج ہوا۔[۹۷]

حال ہی میں، Federal Bureau of Investigation (FBI)، نے یہ رپورٹ جاری کی ہے کہ ۱۹۷۰ سے ۱۹۹۷ کے درمیان زنابلجبر اور اقدام زنا کے جرائم میں ۷۰٪ اضافہ ہوا ہے۔[۹۸] صرف ۱۹۷۰ میں ۳۷،۹۹۰ زنا کے واقعا ت کی شکایت کی جبکہ اس کے مقابلے میں ۱۰۹،۰۶۰ واقعات صرف ۱۹۹۲ میں رپورٹ ہوئے۔

چونکہ زنا بلجبر کی بات چل رہی ہے اس لیے یہاں ان خواتین کے جنسی حراساں کیے جانے کا تذکرہ بھی کرنا چاہیے جو کام کاج کرنے والی خواتین ہیں۔ جو کہ ایک بڑھتا ہوا مسئلہ ہے۔ Equal Employment Opportunity Commissionکے مطابق خواتین ملازمین کو جنسی طور پر حراساں کیے جانے کی شکایات میں مسلسل اضافہ ہورہاہے۔ ۱۹۸۹ میں جنسی چھیڑ چھاڑ کے ۵،۶۰۳ شکایات کا اندراج ہوا بلمقابل سال ۱۹۹۳ میں کہ جب ۱۲،۵۳۷ واقعات رپورٹ ہوئے۔[۹۹]

The Equal Employment Opportunity Commission کے مطابق ۱۹۹۲ میں جنسی طور حراساں کیے جانے والی ملازم خواتین کی ۱۰،۵۷۸ شکایات تھیں۔ ۱۹۹۳ میں یہ اعداد و شمار بڑھ کر ۱۲،۵۳۷ واقعات ہوگئے۔ یہ مسئلہ صرف امریکہ تک ہی محدود نہیں بلکہ اس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، خاص طور پر ان معاشروں میں جہاں مرد و زن کے اخطلاط میں کوئی عار نہیں سمجھی جاتی۔ The International Labor Organization(ILO)کی رپورٹ کے مطابق جس کا عنوان

[97] The Phenomenon of Rape, Epsilon, August 4, 1991.
[98] The Macmillan Visual Almanac. 1996 (pp 370)
[99] The Macmillan Visual Almanac. 1996 P 371

Combating Sexual Harassment at work ,November 1992, اس صنعتی دنیامیں ہر سال ہزاروں خواتین کو ان کی کام کرنے کی جگہ پر جنسی طور سے حراساں کیا جاتا ہے۔ ILOکے سروے انٹرویوں کے دوران ۱۵-۳۰ فیصد خواتین نے اس مسئلہ کے شکار ہونے کا اقرار کیا ہے۔ امریکہ کی سب خواتین سے سروے بعد ۴۲فیصد خواتین نے کسی نہ کسی طرح کی جنسی چھیڑ چھاڑ کے متعلق بتایا۔ Labor Research Departmentنے ۱۹۸۷ میں ایک سروے کے دوران ۷۵ فیصد خواتین کو ان کی کام کرنے کی جگہ پر جنسی چھیڑ چھاڑ کیے جانے یا انکا اس کا شکار رہنے کا معاملہ سامنے آیا۔ یہ سروے ان ممالک میں کیا گیا تھا، اسٹریلیا، آسٹریا، ڈینمارک، فرانس، جرمنی، جاپان اور برطانیہ۔[100]

The Epsilon Magazine زنا بالجبر کے متعلق کچھ بڑے ماہرین نفسیات و عمرانیات کے خیالات بھی بیان کرتا ہے۔
سائنسدانوں نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ جانوروں میں ایسے مسائل نہیں ہوتے ۔ مزید براں انہوں نے مغرب اور مغرب نما معاشرت میں ایسے مسائل کے بڑھنے کی بڑی وجوہات جو بیان کی ہیں وہ یہ ہیں:

۱- میڈیا: زنا پر ابھارنے کا یہ سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ فحش فلموں کے علاوہ ٹی وی فلموں اور ڈراموں میں بھی زنا سے متعلقہ تشدد اور جنسی خواہشات کو ابھارنے والے مناظر دکھانے کی وجہ سے نوجوانوں پر اس کا گہرا اثر پڑتا ہے۔

۲- اس میں ایک اور وجہ نشہ بھی ہے۔ 37.6%زنا بالجبر کی شکایات کے پیچھے اصل محرک نشہ ہی ہوتا ہے۔

[100] The 1994 information Please Almanac, InfoSoft Intl'l, Inc.

۳- اس میں کمرشل وجوہات بھی شامل ہیں جو زنا کے بڑھنے میں کردار ادا کرتی ہیں۔ کپڑوں کے ایسے ڈیزائن جن کی وجہ سے عورت کے جسم کے اعضاء واضح ہوتے ہیں اور اس طرح کے جرم پر ابھارنے کا سبب بنتے ہیں اور وہ یہ سب کچھ لوگوں میں داد وصول کرنے اور حسین دکھنے کے شبہ میں پہنتی ہیں۔ زنا بلجبر کی شکایت کرنے والی بہت سی خواتین نے بتایا ہے کہ جب ان کے ساتھ زیادتی ہوئی تب وہ ایسے ہی کسی لباس کو پہنے ہوئی تھیں۔

٤- مخلوط تعلیم بھی زنا کے بڑھتے ہوئے واقعات کا ایک سبب ہے۔ جہاں دونوں جنسوں کو اکٹھا بٹھا کر یہ سکھایا جاتا ہے آپسی جنسی تعلقات کیسے قائم کیے جائیں۔

٥- خاندانی نظام کے تباہ ہونے کی وجہ سے خاندان کے نوجوان افراد گھر سے باہر محبت کی تلاش میں مجبور ہوجاتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ایسے بہت سے واقعات پیش آتے ہیں جس کے سنگین نتائج نکلتے ہیں۔ہزاروں سینکڑوں بچوں کے باپ کی کوئی پہچان نہیں۔

٦- مذہب کو عملی زندگی سے الگ کرنے کی وجہ سے زندگی افراط و تفریط کا شکار ہوگئی ہے۔

۷- چونکہ زیادہ تر مغربی معاشرت کی بنیاد عیسائیت پرہے جہاں شاید لاشعور میں عورت کو گھٹیا جنس سمجھنے کا تصور اس بات کی وجہ بنتا ہے کہ ان کو خواہشات کی تسکین کا زریعہ سمجھا جائے۔

۸- ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ بہت سے ممالک کے قوانین میں زنا پر خاطر خواہ سختی نہیں ہے۔ زانی کو سخت سزا نہیں دی جاتی

۔ عام طور پر زیادہ سے زیادہ درمیانے درجے کی دوسال کی قید سنائی جاتی ہے۔[101]

ہندو معاشرے میں عورت کا وجود اس کے خاوند کے مر جانے کے بعد اس قدر بوجھ ہو جاتا ہے کہ اسے "سطی" ہونا پڑتا ہے جو خودکشی کی ایک قسم ہے۔ گستاو لی بون نے ہندو معاشرت کے اس پہلو پر کہا ہے کہ:[102]

اپنے خاوند کے جنازے کے ساتھ ہی عورت کو جلایا جانا ایک ایسا عمل ہے جو شاسترہ میں نہیں ملتا۔ یہ عمل ہندوستان میں بہت عام ہوگیا ہے اور اس کے تانے بانے یونا نیوں سے ملتے ہیں۔

عورتوں کی اس تحقیر پر ہندوستانی میڈیا کی رپورٹس دیکھی جاسکتی ہیں۔ ان کے مطابق بہت سی نومولود لڑکیوں کو اس لیے زندہ دفن کردیا جاتا ہے کیونکہ انہیں معاشی بوجھ سمجھا جاتا ہے۔

The Timesرپورٹ کرتا ہے کہ One-Child-Only Policy کا جب چین میں اطلاق ہوا تو زیادہ تر چینی والیدین کی خواہش ہوئی کہ ان کے ہاں بیٹا پیدا ہو۔ جس کی وجہ سے اگر حمل میں لڑکی ہو تو حمل ضائع کرواتے ، یا اپنی نومولود بیٹیوں کو قتل کردیتے یا اپنی نوجوان بیٹیوں کو بیچ دیتے ۔ اسی معاملہ میں چینی پولیس نے ٤٩ افراد پر مشتمل ایک گرہ کو پکڑا جس کا کام پورے چین سے لڑکیوں کو خریدنا، منتقل کرنا اور بیچنا تھا۔چین میں ننھی لڑکیوں پرہونے والے اس ظلم کی شکل میں اس پالیسی کا جو نتیجہ نکلا اس کو دیکھتے ہوئے Chinese Committee for State

[101] Epilson, August, 1991
[102] Gustav Le Bon, Les Civilization de inde. P 238

Planningنے یہ رپورٹ پیش کی کہ مردوں کی تعداد عورتوں سے ۳٦ ملین زیادہ ہے۔[۱۰۳]

آج کی لادین ریاستوں (امریکہ،یورپ، روس، برطانیہ، ہندوستان،چین)میں بچوں اور عورتوں کے ساتھ روا رکھے جانے والا رویہ قبل از اسلام جہالت کےدور سے بہت ملتا جلتا ہے۔ اسلام نے آتے ہی عورتوں اور بچوں پر ہونے والے مظالم کو روکا اور عورتوں ، بچوں، بوڑھوں اور جوانوں کو سب کو ان کا باعزت مقام عطا کیا۔

معاشرتی افراتفری جو زیادہ تر مغربی معاشرت کو اپنے گھیرے میں لے رہی ہے وہاں نہ صرف معاشرے کے کمزور طبقوں پر زیادتی ہورہی بلکہ اس بے راہروی سے تعلیم اور انتظامی میدانوں کی شخصیات بھی محفوظ نہیں۔ Carnegie Foundationکی ایک رپورٹ کے مطابق ان اساتذہ کی شرح جو یہ شکایت کرتی ہیں کہ ان کے ساتھ زبانی کلامی بدتمیزی ہوئی ہے وہ ۵۱٪ ہیں۔ اور وہ جن کو معمولی چوٹیں بھی پہنچی وہ ۱٦٪ ہیں۔ اور وہ جن پر حملہ ہوا وہ ۷٪ ہیں۔[۱۰۴]

اس سے بالاتر کے مغربی معاشرے کا قانون جنسی چھیڑچھاڑ اور زنا کو کیسے دیکھتا ہے، یہ سب حالات اخلاقی انحطاط کی پریشان کن مثال ہے۔ امریکہ میں ہر چار میں سے ایک غیرشادی شدہ سفید عورت کا انیس سال کی عمر سے کوئی نہ کوئی تعلقات ضرور ہوتے ہیں۔ یہ عدد ۱۹۰۰ میں ٦٪ تھے۔[۱۰۵] چار میں سے ایک بچہ بغیر شادی کے بندھن کے پیدا ہوتا ہے، اس میں وہ لاکھوں بچے

[103] In the Family, 15 September . P 7
[104] The Macmilan Visual Almanac 1996. Pp 367
[105] Bennet, P 72

شامل نہیں جو حمل کے دوران ہی ضائع کروائے جاتے ہیں۔[١٠٦]
یورپ بھی امریکہ سے کافی مشابہت رکھتا ہے۔ کینیڈا میں بغیر نکاح کے پیدا ہونے والے بچوں کی تعداد ١٩٦٠ میں ٤٪ تھی جو ٢٠٠٠ میں ٣١٪ ہوگئی، جو برطانیہ میں ٥٪ سے ٣٨٪ ہوئی، فرانس میں ٦٪ سے بڑھ کر ٣٦٪ ہوئی۔[١٠٧]

دی گئی مثالیں مغربی ممالک کی ہیں مگر دوسرے غیر مغربی معاشرے ان معاشرتی ناصوروں سے محفوظ نہیں ہیں۔ معاشرتی ترقی کے لیے پوری دنیا کی اقوام نے مغرب کا طرز زندگی اپنا رکھا ہے اور حقیقتا ان کا معاشرتی بگاڑ اپنایا ہوا ہے۔ وہ اس قابل نہیں کہ مغربی ٹیکنولوجی حاصل کر سکیں یا مادی خوشحالی پا سکیں۔

اسلامی حل:

اس میں کوئی شک نہیں عورتوں کے ساتھ پوری دنیا میں کی جانے والی زیادتی اور ان معاشروں کا عورت کے بارے میں بنیادی نظریہ آپس میں گہرا تعلق رکھتا ہے۔ جبکہ اسلام عورت کو مرجع برائی نہیں سمجھتا اور نہ ہی اسے جنسی تسکین کا کائی کھلونا سمجھتا ہے کہ جس کے ساتھ مرد جو چاہے کرے۔ اسلام عورت کو خاندان اور معاشرے کا ایک اھم جزو سمجھتا ہے۔ وہ خوشی اور سکون کا ذریعہ ہے۔

اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ اُس نے تمہارے لئے

تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تاکہ اُن کی طرف (مائل ہوکر)

---

[106] Bennet, p 48
[107] Buchanan, p 200

آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی جو لوگ غور کرتے ہیں اُن کے لئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔

(القرآن ۲۱:۳۰)

اسلام اس بات کی بہت تحسین کرتا ہے کہ نوجوان اور بوڑھی عورتوں کا خیال رکھا جائے۔ اسلام اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ معاشرے کے افراد عورتوں کے ساتھ عدل اور انصاف کا معاملہ کریں، چاہے وہ بیٹیاں ہوں، بیویاں مائیں یا بہنیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا:

ناک خاک آلود ہوگئی پھرناک خاک آلود ہوگئی پھر ناک خاک آلود ہوگئی عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول وہ کون آدمی ہے آپ صلی اللہ علیہ فسلم نے فرمایاجس نے اپنے والدین میں سے ایک یا دونوں کو بڑھاپے میں پایا (ان کی خدمت کر کے) پھر جنت میں داخل نہ ہوا۔

(صحیح مسلم، باب : صلہ رحمی کا بیان جلد سوم حدیث ۲۰۱٤)

حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول للہ ﷺنے ارشاد فرمایا:

جو آدمی نرمی اختیار کرنے سے محروم رہا وہ آدمی بھلائی سے محروم رہا۔

(صحیح مسلم ،باب : صلہ رحمی کا بیان جلد سوم حدیث۲۱۰۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺنے فرمایا: جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں

تک کہ وہ بالغ ہوگئیں میں اور وہ قیامت کے دن اس طرح ہوں گے اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر بتایا۔
(صحیح مسلم ،باب : صلہ رحمی کا بیان جلد سوم حدیث۲۱۹۸)

اسلام کی ان معاشرتی اقدار کے ذکر سے ہرگز یہ باور کروانا مقصود نہیں کہ مسلم معاشرے کے تمام افراد ان اقدار و روایات کے پابند ہیں۔ بلکہ مسلمانوں میں بھی عورتوں سے بدسلوکی کے واقعات ہوجاتے ہیں مگر وہ خالصتا اسلامی تعلیمات سے انحراف کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

بڑھاپے میں تنہا و ذلت آمیز زندگی مغرب میں عام ہے مگر صحیح اسلامی معاشرے میں اس کا تصور بھی ممکن نہیں۔ بڑے خاندانوں کے ہونے کی وجہ سے اس خاندان کے افراد میں ایک دوسرے کے لیے زیادہ احساس پایا جاتا ہے اس سے فرق نہیں پڑتا کہ افراد کی عمر اور جنس کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

بیواؤں اور مسکینوں کے کام آنے والا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے برابر ہے ، یا رات بھر عبادت اور دن کو روزے رکھنے والے کے برابر ہے ۔

(صحیح البخاری حدیث 5353)

The Epsilonکے اکھٹے کردہ اعداد و شمار کے مطابق زنا بالجبر کا ایک بڑا محرک مرد و زن کا اخطلاط ہے۔ اور اسلام کی

تعلیمات میں مرد و زن کے بے روک ٹوک اخطلاط سے ممانعت ہونے کی وجہ سے با عمل مسلمانوں کے معاشرے میں زنا سے متعلقہ جرائم سے عورتوں کو محفوظ رکھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ حیا کے قوانین مرد اور عورت دونوں کے لیے حرکت میں آتے ہیں۔ عورت پر گہری نگاہ ڈالنا بھی آداب و شریعت کے خلاف ہے۔ جہاں تک حیا کا تعلق ہے تو اس کا مقصد صرف کمزور جنس کا دفاع ہی نہیں بلکہ قوی جنس کی روحانی نشونما کے لیے بھی اہم ہے۔

مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں

کی حفاظت کیا کریں۔ یہ ان کے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام یہ

کرتے ہیں خدا ان سے خبردار ہے۔اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ

وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں

اور اپنی آرائش (یعنی زیور کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں مگر

جو ان میں سے کھلا رہتا ہو۔ اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں

اور اپنے خاوند اور باپ اور خسر اور بیٹیوں اور خاوند کے بیٹوں اور

بھائیوں اور بھتیجیوں اور بھانجوں اور اپنی (ہی قسم کی) عورتوں اور

لونڈی غلاموں کے سوا نیز ان خدام کے جو عورتوں کی خواہش نہ رکھیں

یا ایسے لڑکوں کے جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں

(غرض ان لوگوں کے سوا) کسی پر اپنی زینت (اور سنگار کے مقامات)

کو ظاہر نہ ہونے دیں۔ اور اپنے پاؤں (ایسے طور سے زمین پر) نہ ماریں

(کہ جھنکار کانوں میں پہنچے اور) ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہوجائے۔

اور مومنو! سب خدا کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔

(القرآن ٢٤:٣٠،٣١)

The New York Times نے مئی ١٩٩٣ میں ایک رپورٹ Separation is Betterکے عنوان سے شائع کی۔[١٠٨] یہ رپورٹ سوزین اوسٹر کی جانب سے شائع کی گئی تھی جو خود امریکہ کہ چند ایک ومن کالجز میں سے ایک کی گریجویٹ تھیں۔ امریکی یہ جان کر حیران رہ گئے کہ ومن کالجز میں خواتین کے پڑھنے کا معیار زیادہ اچھا ہے بنسبت ان کالجز کے جہاں مخلوط نظام تعلیم

[108] The Family , August, 1994, 14 P.7

رائج ہے۔ اس نے اپنے دعوی کو مضبوط کرنے کہ لیے درج ذیل اعداد و شمار دیے۔

١- خواتین کے لیے مخصوص کالجز میں ٨٠٪ طالبات سائنس اور میتھ چار سال کے لیے پڑھتی ہیں بلمقابل مخلوط نظام تعلیم میں دو سال پڑھتی ہیں۔

٢- طالبات کے لیے مخصوص اسکولوں میں طالبا ت کا GPA مخلوط تعلیم والے اسکولوں سے بہتر ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے یونیورسٹیز میں پی ایچ ڈی کے لیے بھی وہی طابات آگے آتی ہیں جو خواتین کے لیے مخصوص اسکولوں سے پڑھی ہوتی ہیں۔

٣- The Fortune Magazineا کے مطابق مریکہ کی ایک ہزار بڑی کمپنیز میں ہر تین میں سے ایک خاتون Board of Trustees کی رکن ایسے کالج سے گریجویٹ ہوتی ہے جو خواتین کے لیے مخصوص ہوتے ہیں۔

٤- میتھ میں پی ایچ ڈی رکھنے والی ٤٣٪ خواتین پروفیسرز اوور انجئنرنگ میں پی ایچ ڈی رکھنے والی ٥٠٪ خواتین پروفیسرز خواتین کے لیے مخصوص کالجز ہی سے گریجویٹ ہوتی ہیں۔

یہ مغربی دنیا سے ایک اور دلیل ہے کہ مغرب کا اپنا میلان بھی اسلامی تعلیمات کے آفاقی اور عالمگیر ہونے کی طرف ہے جو انسانی رویوں کو ترتیب میں لانے کا واحد راستہ ہے۔ ہندوستانی سیاستدان کوفی لالجاپا نے کہا :

کہ اسلام کے سوا کسی اور مذہب میں ایسی خوبی ہی نہیں کہ وہ جدید زندگی کے مسائل کو حل کرسکے۔ اسلام حقیقتا اس کے لیے مناسب ترین ہے۔[۱۰۹]

مرد و زن کے درمیان علیحدگی کو پینٹاگون نے جنسی چھیڑ چھاڑ کی انسداد کے طور پر اپنارکھا ہے ،مگر اسلام کا نام لیے بغیر ، جو زندگی کا ایسا نظام متعارف کرواتا ہے جس سے امن و سلامتی نصیب ہوتی ہے۔ پرنس چارلز نے متعدد جگہ اس بات پر زور دیاہے کہ اسلام مغرب کے سنگین اخلاقی انحطاط اور معاشرتی مسائل کا حل پیش کرتا ہے ، انہوں نے یہ بات اسلام اور مغرب کے عنوانات سے اپنی بے شمار تقاریر میں کہی ہے۔

ویلیم کوہن ، امریکن سیکرٹری آف ڈیفنس نے مرد و زنانہ فوجیوں میں اخلاقی اقدار کی گراوٹ سے بچنے کے لیے پہلے مرحلہ کا اعلان کردیا ہے۔ اس مرحلہ میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ موجودہ مخلوط عمارتوں کو مرد و زن کے علیحدہ علیحدہ حصوں میں تقسیم کردیا جائے۔ ابھی یہ حل ابتدائی طور پر پیش کیا گیا ہے تب تک کہ جب تک مردو زن کے لیے علیحدہ علیحدہ نئی عمارتیں تعمیر نہیں ہوجاتی۔ بحری فوج نے بھی سخت ہدایات جاری کر رکھی ہیں کہ کوئی مرد یا زنانہ بحری افسیر اکھٹے بند کمرے میں موجود نہ ہوں۔ یہ وہ ہدایات ہیں جن کی پابندی ہر بحری فوجی پر لازم ہیں خصوصا جب وہ ڈیوٹی پر ہوں۔ سیکٹری آف ڈیفنس کے مطابق ان احکامات کے پیچھے سوچ یہ ہے کہ دفاع سے متعلقہ لوگوں کو پوشیدگی اور سلامتی کا احساس فراہم کیا جاسکے۔ نیز اس بات پر بھی پابندی لگائی ہے کہ کوئی شخص انڈر وئر میں یا برہنہ نہیں سو سکتا اور سونے کے اوقات میں دروازے سختی سے

[109] Emad Khalil. They Said About Islam. 1994, In The Islamic Future, 27, May 1994P. 12

بند رکھے جائیں۔ فحش فلموں کے دیکھنے پر بھی پابندی عائد کردی گئی خصوصاخواتین کی موجودگی میں۔ اور اس بات پر بھی تفصیلی قواعد کا اعلان کیا ہے کہ تیراکی کے دوران یا سن باتھنگ کے دوران کافی کپڑے پہنے جائیں۔[۱۱۰]

یہاں پر ایک سوال یہ اٹھتا ہے کہ ایسے قواعد و ضوابط جو بہت سے لوگوں کی نظروں میں دقیانوسی ہیں تو پھر وہ دنیا کی سب سے جدید ترین تہذیب کی طرف سے کیوں اپنائے جا رہے ہیں؟ اس کا جواب بہت سادہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جنسی بے راہ روہ ی ناقابل یقین حد تک بڑھ چکی ہے اور اب یہ قومی سلامتی اور اخلاقیا ت کو ایک خطرہ بن چکی ہے۔ خواتین کی جانب سے جنسی بدسلوکی کی ہزاروں شکایات نے خطرے کی گھنٹی بجا دی ہے۔

آج جو مسائل (جیسے، شراب نوشی ، منشایات، بچوں اور عورتوں کے ساتھ زیادتی) دنیا کو تباہی کی طرف لے کر جارہے ہیں ان کا واحد حل صرف اسلام ہی کی تعلیمات ہیں۔ جب بھی مسلمان معاشروں میں مغربی افکار کا تسلط بڑھتا ہے تو معاشروں میں جرم بڑھتا اور جب کبھی اسلامی تعلیمات کا اثر کسی معاشرے پر پڑتا ہے تو جرائم کی شرح میں واضح کمی اور اقدارواخلاق کی بلندی حاصل ہوتی ہے۔۱۹۹۲ میں 847,271قیدی امریکی جیلوں میں قید تھے اور ۱۹۹۱ میں ۷٪ اضافہ ہوا اور حیران کن اضافہ ۱۹۸۰ میں ۱٦۸٪ ہوا۔ اسی دوران سنگین جرائم کی شرح میں ۲۷ ٪ اضافہ ہوا۔[۱۱۱]

1994کے گیلپ سروے کے مطابق ۸۰٪ امریکی سزایافتہ قاتلوں کی سزائے موت کے حق میں ہیں جبکہ ۳۸ ریاستوں میں سزائے

---

[110] The Family, June 1998, Issue No. 59, P3

[111] Bureau of Justice Statistics (pp 390-393)

موت رائج بھی ہے۔ مزید براں ٦٠ جرائم ایسے ہیں جن میں سزائے موت دی جاسکتی ہے۔ تقریبا ٣٠٠٠ امریکی سزائے موت کے منتظر ہیں۔ سزائے موت دئے جانے کا عمل ١٩٦٧ سے لے کر ١٩٧٧ تک موقوف رہالیکن بعد ازاں بحال کردیا گیا۔ کیا کوئی عقل سلیم رکھنے والا شخص اس نتیجے پر نہیں پہنچے گا کہ پیش آمد مسائل کا حل اور اخلاقیات کا مستقبل اسلامی تعلیمات ہی میں ہے؟ امریکیوں کی اتنی بڑی تعداد کا سنگین جرائم کی پاداش میں قرار واقعی سزاؤں کے حق میں ہونا اس بات پر شہادت ہے کہ لوگ عملی حل کے مشتاق ہیں جوکہ اسلامی تعلیمات میں بیان شدہ ہیں۔

خلاصہ

موجودہ دور کے بہت سے لادین اور مذہبی نظاموں کے تجزیہ کے بعد اس بات میں امکان موجود ہی نہیں کہ ان نظاموں میں سے کسی کو نافذ کیا جانا چاہیے یا یہ موجودہ مسائل کا حل ہیں۔ ہندوازم ، علم الہیات پر تاریک دور، کولونیل ازم، کمیونزم ازم ، اور جدید کیپیٹل ازم یہ سب اولڈ ورلڈ آڈر سے ہیں۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں:

۱۔ اس لیے کہ یہ معاشرت کی بنیادی شرائط کوپورا نہیں کرتے اور درپیش مسائل کا حل بھی ان کے پاس موجود نہیں۔ بنیادی شرائط وہی ہیں جو اس کتاب میں پہلے ہم دیکھ چکے ہیں یعنی رواداری ، مساوات، مسائل کا حل ، سائنس اور ٹیکنولوجی کا ایسا فروغ جو انسانیت کے حق میں مفید ہو نہ کہ انسانیت کی تباہی کا سبب ہی بن جائے۔

۲۔ انہوں نے خود پسندی اور انانیت کی فطرت وراثت میں پائی ہے۔

۳۔ ان کے ماضی میں ذاتی مفادات کی حفاظت اور دوسروں کے مفاد سے صرف نظر عام ہے۔

اسلام کی روح کو سمجھنا ، انسانیت کی روح کو سمجھنا ہے۔ ایک مذہب سے بڑھ کر اسلام ایک متوازن نظام حیات ہے۔ اسلام لوگوں کے لیے تمدن اور خوشحالی لاتا ہے۔ اسلام ذاتی، خاندانی ، معاشرتی اور عالمی سطح پر درپیش ہر طرح کے مسائل کا مناسب، متوازن اور نتیجہ خیز حل فراہم کرتا ہے۔جو کہ آج کے انسانی معاشرے کی بقاء کے لیے خطرہ بنا ہوا ہے۔ جیسا کہ ایک مشہور مسلمان عالم نے لکھا ہے:

ایسا روحانی اعتقاد جو لوگوں کے معاشرتی رویوں، معاشی حالات اور عالمی تعلقات سے متعلق رہنمائی نہیں کرتا وہ اتنا ہی مضہر ہے جتنا کوئی سماجی نظریہ جو روحانی اعتقاد، اخلاقیات اور رویوں کو موزوں نہیں بناتا۔ ایسا کوئی بھی معاشرتی نظریہ اپنائے جانے کے اعتبار سے بے معنی اور بے کار ہے اور وہ اس قابل نہیں کہ پوری انسانیت کی رہنمائی کرسکے۔

فرد اور معاشرہ دونوں کسی ایسے اعتقاد کے شدید مشتاق ہیں کہ جو ان کے جملہ افعال و معاملات کا رہبر و رہنما ہوکر ان کو ترقی اورخوشحالی کی طرف لے کر جائے۔ جب فرد اور معاشرہ کسی ایسے نظام حیا ت کو اپنائیں گے تو انسانیت غیر معمولی ترقی اور خوشحالی محسوس کرے گی جو کہ صرف تب ہی ممکن ہے کہ جب انسان ابدی مختار کے ساتھ اپنا تعلق قائم کر لے جو اس کی صلاحیتوں کو درست سمت میں ڈال دے گا۔

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اسلام ہی وہ واحد نظام حیات ہے جو اس بات کی قوت رکھتا ہے کہ ساری انسایت کی رہبری اور رہنمائی کرسکے۔ اسلام باطنی اور ظاہری دنیا میں کوئی تمیز نہیں کرتا کہ جس سے ان کی اہمیت میں کوئی کمی واقع ہو۔

اسلام زندگی کے تمام شعبوں کو متحرک کرتا ہے جیسے جسم کے مختلف اعضاء ایک انسان بنانے کے لیے متحرک ہوتے ہیں۔ اگر جسم کا ایک عضو بھی درست کام نہ کرے تو سارا جسم اس کی تکلیف محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح اسلام قوانین کا ایک نظام فراہم کرتا ہے جو انسانی معاشرے کے تمام شعبوں کو درستی سے متحرک رکھتا ہے تاکہ معاشرے کے ہر فرد کو امن و سکون فراہم کیا جاسکے۔ اسلام کے علاوہ کوئی ایسا نظام نہیں جو خدا کی عبادت کو اس درجہ کلی اور جزوی اعتبار سے ملحوظ رکھے۔ مثال کے طور پر اسلام مسلمانوں کو اس بات کا پابند بناتا ہے کہ سال میں ایک ماہ روزے رکھے جائیں تاکہ تقوی اور تذکیہ حاصل کیا جاسکے۔ اور ساتھ ہی ساتھ بھوکوں اور محتاجوں کی ضروریات اور محرومیوں کا خیال دل میں آجائے۔ اب صرف خالی احساس ہی مطلوب نہیں تھا اس لیے زکوٰۃ کی پابندی لگائی گئی تاکہ معاشرے کے محروم طبقے تک انفرادی اور اجتماعی مدد بھی پہنچائی جاسکے۔

پرنس چارلز کے الفاظ میں "۔۔۔ اسلام آج ہمیں زندگی کا درست فہم اور سمجھ عطا کرسکتا ہے جس سے عیسائیت خود بھی ناآشنا ہے۔ اسلام کا بنیادی مقصد عالمی وحدت کو قائم رکھنا ہے۔ اسلام اس بات سے منع کرتا ہے کہ انسان اور قدرت، مذہب اور سائنس ، فکر اور مادہ کے درمیان کوئی خط تفریق کھینچا جائے۔ لیکن مغرب نے آہستہ آہستہ اس مسلم اور سموچی

بصارت کو عقل و فلسفہ اور پیش آمد سائنسی ترقی کے زعم میں کھو دیا ہے۔

ایک امت ہونے کا نظریہ اسلام میں عالمگیریت کا ایک اہم نظریہ ہے۔ "امت" کا مطلب ایک قوم سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اس میں رنگ، نسل، جنس کی تفریق کوئی معنی نہیں رکھتی۔ قرآن مجید نے وحدت کے اس عظیم اصول پر زور دیا ہے۔

(پہلے تو سب) لوگوں کا ایک ہی مذہب تھا (لیکن وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے)

تو خدا نے (ان کی طرف) بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے پیغمبر بھیجے

اور ان پر سچائی کے ساتھ کتابیں نازل کیں تاکہ جن امور میں لوگ

اختلاف کرتے تھے ان کا ان میں فیصلہ کردے۔ اور اس میں اختلاف بھی

انہیں لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی تھی باوجود یہ کہ ان کے پاس کھلے

ہوئے احکام آچکے تھے (اور یہ اختلاف انہوں نے صرف) آپس کی ضد سے (کیا)

تو جس امر حق میں وہ اختلاف کرتے تھے خدا نے اپنی مہربانی سے مومنوں

کو اس کی راہ دکھا دی۔ اور خدا جس کو چاہتا ہے سیدھا رستہ دکھا دیتا ہے

(القرآن ۲:۲۱۳)

اسلام میں امت کا نظریہ بڑا اچھوتا ہے۔ امت علم، اقدار اور حکومت کا ایک حسین امتزاج ہے۔ امت ایک ایسا نظام ہیں جس میں ہر طرح کے لوگ شامل ہیں چاہے وہ کہیں سے بھی تعلق رکھتے ہوں اور کسی بھی نظریاتی نظام

سے ان کا تعلق ہو۔ یہ انصاف اور امن کا ایک ایسا عالمگیر ادارہ ہے جہاں حق کے داعیان اور ہر آزادی اظہار رائے پر یقین رکھنے والا شخص یا گروہ پناہ حاصل کرسکتا ہے۔

درحقیقت امت ہی وہ آلہ ہے کہ جو مغرب اور اقوام متحدہ کے بنائے گئے ان آلات سے بہتر ہے جو امریکیوں و یورپیوں نے اپنے مفادات حاصل کرنے کے لیے نیو ورلڈ آرڈر کی شکل میں تیار کر کے تیسری دنیا کے لوگوں اور مادی وسائل پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہا ہے۔

حضرت محمد ﷺ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد شروع ہی کے دنوں میں ایک آئین دیا تھا۔ جس میں یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کے حقوق اور مذہبی آزادی کو محفوظ رکھا گیا تھا۔ جس طرح اس اسلامی آئین نے اقلیتوں کے حقوق کی ضمانت دی ہے ، تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ امت ایک اسلامی نظریہ سے ، انشاءاللہ، عالمی امن و سلامتی لائے گی اور ایک اندرونی معاشرتی نظام فراہم کرے گی۔ ایسی امت یکجا اور واحد رہے گی جس کے مذہبی نظریات، قانون، اخلاقیات ، اقدار اور زندگی گزارنے کا طریقے ایک ہی آفاقی ذریعہ سے آتا ہے۔ یعنی ایک واحد خدا پر ایمان۔ اس نظریہ کو نظریہ توحید کہتے ہیں۔

مغربی معاشرہ کی اخلاقی اقدار کا ڈھانچہ منہدم ہی ہوتا رہے کیونکہ اس بنیادیں ہی غیر مستحکم ہیں۔ The Daily Mail of London(Report written by their Religious affairs Correspondent Lesley Thomas) رپورٹ کرتا ہے کہ اقدار سے عورتوں کی بغاوت کا رویہ برطانیہ میں فروغ پا چکا ہے۔ برطانوی عورتیں اسلام میں نئی اقدار و اخلاقیات دیکھتی ہیں۔ رپورٹ کے مطابق معاملہ یہ نہیں ہے کہ برطانوی عورتیں اسلام کی حمایت کر ہی ہیں۔ بلکہ بہت سی عورتیں اسلام قبول کرتی جارہی ہیں۔ جو فیمینسٹس اور عیسائیوں کے لیے لمحہ فکریہ بن گیا ہے پچھلے دس سالوں میں تقریبا ۱۰،۰۰۰ پڑھی لکھی ،غیر شادی شدہ، ڈاکٹر ز اور وکلاء خواتین نے اسلام قبول کیا ہے۔ مغرب کا پڑھا لکھا طبقہ اسلام ہی میں زندگی کے صحیح معنی کو پاتا ہے ، جو ایک عالمگیر مذہب ہے۔

آج کے مسلمانوں کے متعلق ؟ بدقسمتی سے آج کے کچھ پڑھے لکھے مسلمان صرف زبانی باتوں سے گزارا کرتے ہیں جبکہ اسلام ایک عملی نظام حیات ہے۔اور اللہ تعالی کے ہاں ایسے زبانی کلامی امر کو ناپسند کیا ہے جسے عمل میں نہ لیا جائے۔

مومنو! تم ایسی باتیں کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے۔

خدا اس بات سے سخت بیزار ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

(القرآن ۲،۳:۶۱)

اسلام جو ذہنی اور معاشرتی سکون لاتا ہے وہ کسی اور نظام کے وجود سے ممکن نہیں۔ اسلام کی ضرورت تب محسوس ہوتی ہے جب انسان کسی ایسے نظام کی تلاش میں نکلتا ہے جو اس کی تمام شعبہ ہائے زندگی میں رہنمائی کرے اور اس کو درپیش مسائل حل کرے۔

اسلام تمام مذاہب اور تہذیبوں میں ممتاز ہے۔ دوسرے ادیان کے مقابلے میں دین اسلام اپنی پہچان ایک عالمی نظام زندگی کے طور پر کرواتا ہے۔ اسلام ایک الہی رہنمائی ہے جو ہر رنگ، نسل اور زبان کےلوگوں کو رب تعالی سے جوڑتی ہے۔ یہ خوشحالی، عظمت اور عالمی سلامتی کے لیے واحد نظام ہے۔ اسلام اپنے انداز میں اس قدر اچھوتا ہے کہ میں یہ بات دعوی سے کہ سکتا ہوں کہ اکیسویں صدی کا دور اسلام کا دور ہے۔

دنیا کے تمام نظام عارضی ہیں اور ان میں بہت سے خلا ہیں۔ خدا کی خالص تعلیمات ہی انسانیت کے مسائل کا حل ہوسکتی ہیں۔اس بات میں کوئی شک ہی نہیں ہوسکتا کہ آدمی کے بنائے ہوئے نظریات انسانی مسائل کا حل ہوسکیں۔ اسلام نے اپنی تعلیمات میں اچھوتا اور خالص ہونا ثابت کیا ہے۔کوئی کبھی بھی یہ دعوی نہیں کرسکتا کہ مسلمانوں نے کسی دور میں اسلامی تعلیمات کو مکمل طور پر رد کر دیا ہو۔ایسی بہت سی رسومات ہونگی جو مسلمانوں نے اپنا لی ہونگی اور وہ اسلام کا حصہ نہیں ہونگی۔ تو اس میں ان مسلمانوں کا قصور ہو گا نہ کہ اسلام کا۔ یہ انسانیت کے لیے

تباہی ہوگی اگر آج کی سیاسی اور عسکری قوتیں اسلام کے خلاف سازش
کی کوشش کریں۔